نمازِ تراویح

☆فضائل وبرکات ،

☆تعدادِ رکعات ،

☆ازالۂ شبہات

تحریر

ابوعدنان محمد منیر قمر

ناشر

توحید پبلیکیشنز بنگلور

نامِ کتاب	نمازِ تراویح
تالیف	ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین
کمپوزنگ	نبیلہ قمر اور نادیہ قمر
طبع اول	۱۴۲۳ھ ، ۲۰۰۲ء
ناشر	توحید پبلیکیشنز ، بنگلور، انڈیا

ہندوستان میں ملنے کے پتے

1- توحید پبلیکیشنز ،ایس .آر .کے .گارڈن

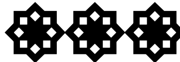
بنگلور۔فون .۶۶۵۰۶۱۸

2- چار مینار بک سینٹر

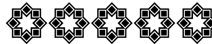
چار مینا مسجد ر روڈ ،شیوا جی نگر، بنگلور۔۵۱

3- میسور۔فون . ۴۹۲۱۲۹

رابطہ:E-Mail:tawheed_pbs@hotmail.com



فہرستِ مضامین



عرضِ مؤلف

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِيَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ أَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ .

أَمَّا بَعْدُ :

قارئینِ کرام ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ریڈیو متحدہ عرب امارات ام القیوین کی اردو سروس سے روزانہ اسلامی پروگرام ''دین ودنیا'' پیش کرنے کی سعادت طویل عرصہ تک حاصل رہی اور ماہِ رمضان المبارک میں فضائل ومسائلِ رمضان وروزہ کے ضمن میں دیگر مسائل واحکام کے ساتھ ہی ''مسئلہ تراویح'' بھی آتا رہا ہے۔لہٰذا مختلف مواقع پر اسے مفصل ومختصر انداز سے نشر کیا جاتا رہا۔اوراب جبکہ ماہِ ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ (جنوری ۲۰۰۲ء) سے اللہ کی توفیق وعنایت سے سعودی ریڈیو مکہ مکرمہ سے ہفتہ وار دینی پروگرام ''اسلام اور ہماری زندگی'' پیش کرنے کا موقع ملا ہے تو ماہِ رمضان المبارک میں آنے والے چاروں جمعۃ المبارک کو ہم نے اپنے پروگرام کی جو چار قسطیں نشر کی ہیں وہ صرف تراویح کے موضوع اوراسی کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرتی ہیں۔

ہمارے ان پروگراموں کو ہماری بیٹی نبیلہ قمر اور نادیہ قمر نے مل کر نہ صرف کتابی شکل میں مرتّب و مدوّن بلکہ اسے کمپوز بھی کردیا ہے۔فَجَزَاھُمَا اللّٰہُ خَیْراً وَوَفَّقَنَا وَ اِیَّاھُمَا لِکُلِّ خَیْرٍ وَبِرٍ وَتَقَبَّلَہٗ مِنَّا خَالِصَۃً لِوَجْھِہِ الْکَرِیْمِ .

اس کتاب کو قارئین کرام تک پہنچانے میں ہمارے جن احباب نے کسی بھی رنگ میں ہمارے

ساتھ تعاون کیا ہے، اللہ تعالی انہیں بھی جزاء خیر سے نوازے اور ہمارے اس عمل کو ہمارے اور انکے میزانِ حسنات کا حصہ بنائے.

آمین.

آپ کی دعاؤں کا طالب
ابو عمران محمد منیر قمر نواب الدین
ترجمان سپریم کورٹ، الخبر
وداعیہ متعاون، مراکز دعوت وارشاد
الخبر، الظہران، الدمام
(سعودی عرب)

الحکمۃ الکبریٰ، الخبر
طاق شبِّ رمضان
۱۴۲۳/۹/۲۳ھ
۲۰۰۲/۱۱/۲۸ء

خوشخبری

تمام برادرانِ اسلام کو خوشخبری دی جاتی ہے کہ مؤلّفِ کتاب کے ریڈیو اُمّ القیوین (U.A.E) اور سعودی ریڈیو مکہ مکرمہ کے تمام پروگراموں کے آڈیو کیسٹس اور سیڈیز بھی دستیاب ہیں.

برائے رابطہ: (1) رحمت اللہ خان ایڈووکیٹ الخبر فون 8829292ext2638 (2) مسعود سہیل الجبیل فون 3462702 03 3 شاہد ستار sasattar63@yahoo.com

ابو عدنان

نمازِ تراویح

جب ماہِ رمضان المبارک کا چاند رؤیت یا شہادت وخبر کی بناء پر ثابت ہوجائے تو وہ رات ماہِ رمضان کی پہلی رات شمار ہوتی ہے اور اگر مناسب وقت پر چاند نظر آجائے یا اسکے نظر آجانے کی اطلاع مل جائے تو اُسی رات نمازِ عشاء کے بعد نمازِ تراویح کا آغاز ہوجاتا ہے ۔

نمازِ تراویح کی فضیلت :

رمضان المبارک کی راتوں کا [قیام اللیل] اسقدر باعثِ اجر وثواب ہے کہ صحیح بخاری ومسلم سنن اربعہ، مسند احمد، اور دارمی وموطأ امام مالک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

(...**و من قام رمضان ایماناً و احتساباً غُفر له ما تقدّم من ذنبه**). (بخاری مع الفتح ۴/۲۵۰، مسلم مع النووی ۳/۶/۳۹-۴۰، الفتح الربانی ترتیب المسند ۹/۲۱۹-۲۲۰، مشکوٰۃ ۱/۴۱۰، صحیح الجامع ۵/۳۳۴، الارواء ۴/۱۴)۔

’’جس نے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے، خالص اُس کی رضاء جوئی کیلئے رمضان المبارک کی راتوں کو قیام کیا اسکے سابقہ تمام گناہ بخش دیئے گئے ‘‘۔

اور بعض احادیث میں (**ما تقدّم من ذنبه**) کے بعد (**و ما تأخّر**) کے الفاظ بھی ہیں کہ اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف ہوگئے ۔اور امام منذری رحمہُ اللہ نے کہا ہے کہ یہ اضافی الفاظ (**و ما تأخّر**) مسند احمد میں جیّد سند کے ساتھ مروی ہیں ۔ (بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی ۹/۲۲۰)۔

نمازِ تراویح کا حکم :

قیامِ رمضان یا نمازِ تراویح کا ادا کرنا فرض نہیں بلکہ سنّت ہے، اور اسکے بارے میں آئمہ وفقہاءِ مذاہب میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے ۔لہٰذا وہ حضرات جو جھٹ سے فتویٰ داغ دیتے ہیں کہ جس نے تراویح نہ پڑھی اسکا کوئی روزہ نہیں، انھیں اپنے اس قول کا اصلاح کرلینا چاہیئے ۔

البتہ ماہِ رمضان المبارک کے شب وروز انتہائی برکت وفضیلت والے ہیں، لہٰذا اس ماہ میں صدقہ وخیرات، تلاوتِ قرآنِ کریم اور نوافل جسقدر بھی ممکن ہوں کم ہیں۔ لیکن جو آدمی کسی عذر کی وجہ سے نمازِ تراویح ادا نہیں کرسکا وہ صبح روزہ رکھ سکتا ہے، اور اسکے روزے میں کسی قسم کا کوئی فرق یا نقص نہیں آتا۔

پہلی دلیل :

نمازِ تراویح کی ترغیب دلانے کیلئے اتنی سخت فتویٰ بازی کی بجائے مسنون طریقہ اختیار کرنے میں ہی خیر و برکت ہے اور وہ مسنون طریقہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سننِ اربعہ اور مسند احمد میں مذکور ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

(كان رسول الله ﷺ يُرَغِّب فى قيام رمضان من غير ان يأُمرهم فيه بعزيمة ، فيقول : من قام رمضان ايماناً و احتساباً غُفر له ماتقدّم من ذنبه)۔

(بخاری مع الفتح ۲۵۰/۴، مسلم مع النووی ۴۰/۶/۳، المنتقیٰ مع النیل ۴۹/۳/۲، مشکوٰۃ ۴۰۵/۱، الفتح الربانی ۲۲۰/۹۔۲۲۱)۔

''نبی ﷺ لوگوں کو رمضان کی راتوں میں قیام کرنے [نمازِ تراویح پڑھنے] کی ترغیب دلایا کرتے تھے لیکن آپ ﷺ انھیں عزیمت [وجوباً پابندی] کا حکم نہیں دیتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ ''جس نے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اسی کی رضا وخوشنودی کے حصول کی خاطر رمضان کی راتوں کو قیام کیا، اسکے سابقہ تمام گناہ بخش دیئے گئے''۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ سنن نسائی میں قتیبہ نے سفیان کے طریق سے اس حدیث میں (**ما تقدّم من ذنبه**) کے بعد (**وما تأخّر**) کا اضافہ بھی روایت کیا ہے کہ سابقہ اور لاحقہ تمام گناہ معاف کردیئے گئے۔ اور انکا کہنا ہے کہ یہ اضافی الفاظ مسند احمد کی ایک روایت میں بھی مروی ہیں۔ [اور انکا یہ اشارہ مسند احمد کی اُسی روایت کی طرف ہے جو سابق میں ذکر کی جاچکی ہے، جسے امام منذری رحمہ

اللہ نے جیّد سند والی قرار دیا ہے]۔

حافظ موصوف رحمۂ اللہ لکھتے ہیں کہ اگلے اور پچھلے گناہوں کی مغفرت کے سلسلہ میں کئی احادیث وارد ہوئی ہیں جنھیں میں نے ایک مستقل کتاب میں جمع کیا ہے۔(فتح الباری ۴/۲۵۱۔۲۵۲)۔

ایک اِشکال اور اسکا ازالہ :

یہاں ایک اِشکال پیش آتا ہے کہ اس اور اس سے پہلی حدیث میں جو اضافی الفاظ (و ما تأخّر) ہیں کہ بعد والے گناہ بھی بخش دیئے جاتے ہیں، یہ کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ مغفرت تو تب ہوتی ہے جب پہلے گناہ سرزد ہوا ہو، اور جب ابھی گناہ سرزد ہوا ہی نہیں تو اس کی پیشگی مغفرت کیسے ہوگی؟

اس اِشکال کو حافظ ابن حجر رحمۂ اللہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ذکر کر کے مختلف جوابات سے اسکا ازالہ کیا ہے چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

۱) یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ وہ کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ رہیں گے۔آئندہ ان سے کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہی نہیں ہوگا۔

۲) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُن سے جو بھی گناہ سرزد ہونگے وہ بخش دیئے جائینگے۔ماوردی اور بعض دیگر اہلِ علم نے یومِ عرفہ کے روزے کی فضیلت، کہ اس سے سابقہ اور آئندہ دو سالوں کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اسکی وضاحت اسی جواب سے کی ہے۔(فتح الباری ۴/۲۵۲)۔

۳) آئندہ گناہوں کی بخشش سے مراد یہ ہے کہ ان سے جو بھی فعل سرزد ہوگا، اس پر انکا کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔اہلِ بدر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے:

(لعلّ اللّٰہ اِطّلَعَ علی اھل بدر فقال :

اعملوا ماشئتم فقد وجبت لکم الجنّۃ ۔ او فقد غفرت لکم)۔(بخاری مع الفتح ۷/۳۰۵)۔

’’اللہ نے اہلِ بدر [کے خلوص وایثار] کو دیکھ کر کہا:

[آج کے بعد] جوعمل چاہے کرو، تمہارے لئے جنّت واجب کردی گئی ہے۔ یا فرمایا:
تمہاری بخشش کردی گئی ہے ''۔

اس حدیث میں یہی مراد ہے کہ تمہارے آئندہ کے افعال پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا ''جوعمل چاہے کرلو'' یہ ان کی عزّت وتکریم کیلئے کہا گیا ہے اور یہ عظمت اُنھیں اُنکے اُس عمل کے عوض ملی جو اُنھوں نے اوّلین معرکۂ حق وباطل میں اعلائے کلمۃ الحق کیلئے سرانجام دیا، جسکے نتیجہ میں ہی انکے سابقہ تمام گناہ بھی معاف کردیئے گئے اور وہ اس کے اہل ہوگئے کہ اگر ان سے آئندہ کوئی گناہ سرزد ہوا تو اللہ انھیں وہ بھی بخش دے گا۔ (للتفصیل: فتح الباری ۷/۳۰۵۔۳۰۶، نیل الاوطار ۲/۳/۵۰)۔

دوسری دلیل :

نمازِ تراویح کے سنّت ہونے کی دوسری دلیل صحیح بخاری ومسلم، ابوداؤد ونسائی اور ابن ماجہمیں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی وہ حدیث ہے جسمیں وہ بیان فرماتی ہیں:

(صلی النبیُّ ﷺ فی المسجد فصلی بصلوٰته ناسٌ کثیر ، ثم صلّی من القابلة فَکَثُرُوا ثم اجْتَمِعُوا من اللیلة الثالثة فلم یخرج الیھم ، فلما اصبح قال :

قد رأیت صنیعَکم ، فلم یمنعنی من الخروج الیکم الّا انّی خشیت ان تُفرض علیکم ،و ذالك فی رمضان)۔ (مسلم ۳/۶/۴۱۔۴۲، بحوالہ المنتقی مع النیل ۳/۴/۵۱، فقہ السنّۃ ۱/۲۰۶)۔

''نبی اکرم ﷺ نے مسجد میں نماز [تراویح] پڑھی، آپ ﷺ کی اقتداء میں بکثرت لوگوں نے بھی نمازِ تراویح ادا کی، پھر اگلی رات بھی آپ ﷺ نے نماز پڑھی تو لوگوں کی تعداد میں اور اضافہ ہوگیا۔ پھر تیسری رات بھی لوگ جمع ہوگئے، لیکن نبی ﷺ گھر سے ہی باہر تشریف نہ لائے۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا: ''میں نے رات دیکھ لیا تھا کہ تم جمع ہوئے ہو لیکن مجھے باہر آنے سے صرف اس چیز نے روک لیا کہ یہ نماز کہیں تم پر فرض نہ کردی جائے''۔ اور یہ واقعہ ماہ رمضان المبارک میں پیش آیا ''۔

صحیح بخاری اور دیگر کتبِ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ایک حدیث میں نبی ﷺ کے تین راتوں کو نماز تراویح پڑھانے کا تذکرہ ہے اور آگے مذکور ہے:

(فلمّا کانت اللیلة الرابعةُ عَجِز المسجدُ عن اهله حتیٰ خرج لصلوٰة الصبح ، فلما قضی الفجر اقبل علیٰ الناس ، فتشهّد ، ثمّ قال :

امّا بعد : فانّه لم یَخْفَ عَلیّ مکانَکم و لکنّی خشیت ان تُفرض علیکم فتَعْجَزوا عنها ، فتُوُفِّیَ رسولُ اللّٰه ﷺ و الامرُ علی ذالك)۔(بخاری مع الفتح ۴/۲۵۱)۔

''جب چوتھی رات آئی تو مسجدِ نبوی نمازیوں کی کثرت سے تنگ دامانی کا شکوہ کرنے لگی لیکن آپ ﷺ [باہر تشریف نہ لائے البتہ] جب فجر کیلئے نکلے اور نمازِ فجر سے فارغ ہو گئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر توحید ورسالت کی شہادت کے بعد فرمایا:''مجھ پر تمہاری حالت پوشیدہ نہ تھی لیکن مجھے یہ خدشہ ہوا کہ یہ نماز کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے اور تم اسکی ادائیگی سے عاجز آ جاؤ [اسلیئے میں باہر نہیں نکلا تھا] ، اور نبی ﷺ کی وفات تک نمازِ تراویح اسی طرح رہی''۔[یعنی اسکی باقاعدہ جماعت شروع نہ ہوئی کہ صرف ایک ہی امام ہوتا، البتہ مختلف اماموں کے ساتھ جماعت ثابت ہے جیسا کہ اثرِ فاروقی آگے آ رہا ہے] ۔

صحیحین اور دیگر کتب میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مفہوم کی ایک حدیث مروی ہے لیکن اسمیں تین یا چار راتوں کی تعداد مذکور نہیں بلکہ: **فصلی فیها لیالی** کے الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے چند راتیں مسجد میں بنائے گئے حجرہ میں نمازِ تراویح پڑھی **حتّی اجْتَمِعَ علیه الناس** حتیٰ کہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ نماز کیلئے جمع ہو گئے ۔(مشکوٰۃ ۱/۴۰۵)۔

تاہم ان اور اسی موضوع کی دیگر احادیث سے معلوم ہوا کہ نمازِ تراویح سنّت ہے، واجب نہیں ۔امام شوکانی نے کسی اختلاف کا تذکرہ کیئے بغیر ہی بات ذکر کی ہے۔(نیل الاوطار ۲/۳/۴۹)

اور امام نووی نے اس پر اتفاق ذکر کیا ہے۔(شرح مسلم نووی ۳/۶/۴۰)۔

نمازِ تراویح کی جماعت:

نمازِ تراویح نہ صرف مشروع بلکہ مستحب وسنّت ہے اور اسکے استحباب کا پتہ سابقہ احادیث سے لگ جاتا ہے، خصوصاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے، جس میں ہے:

(كان رسول الله ﷺ يرغّب في قيام رمضان من غير ان يامرهم فيه بعزيمة)

''نبی ﷺ قیام رمضان کی ترغیب دلایا کرتے تھے لیکن آپ ﷺ عزیمت (وجوب) کا حکم نہیں فرمایا کرتے تھے'' .

امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ اہل علم کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ نمازِ تراویح مستحب وسنّت ہے البتہ اسمیں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اسکا اکیلے اپنے گھر میں پڑھنا افضل ہے یا کہ مسجد میں باجماعت ادا کرنا؟ امام مالک، ابو یوسف اور بعض شافعیہ رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ نمازِ تراویح کا انفرادی طور پر اپنے گھر میں ادا کرنا افضل ہے اور امام شافعی، انکے اکثر ساتھیوں، امام احمد، امام ابوحنیفہ، امام ابن المبارک، اسحاق بن راہویہ، اور بعض مالکیہ کے نزدیک نمازِ تراویح کا مسجد میں باجماعت ادا کرنا افضل ہے۔

(ترمذی والتحفہ ۳/۵۳۲ شرح النووی ۳/۶/۳۹۔۴۰، نیل الاوطار ۲/۳/۵۰، فتح الباری ۴/۲۵۲)۔

فریقِ اول (امام مالک، ابو یوسف اور بعض شافعیہ رحمہم اللہ) کا استدلال بخاری ومسلم ابوداؤد ونسائی، معجم طبرانی، مسند احمد اور مسند ابی یعلی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ہے جسمیں ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

(أفضل الصلوٰة ، صلوٰة المرء في بيته الّا المكتوبة)

''آدمی کی، فرض نماز کو چھوڑ کر افضل ترین نماز وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں پڑھے''۔

(النووی ایضاً وصحیح الجامع ۱/۱/۳۶۶، والنیل ایضاً وفتح الباری ۴/۲۵۲)۔

جبکہ فریقِ ثانی [جمہورِ اہلِ علم بشمول امام شافعی، انکے اکثر ساتھیوں، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور بعض مالکیہ رحمہم اللہ] کا استدلال صحیح بخاری، موطأ مالک، [ابن ابی شیبہ نحوہ دون **قولہ نعمت البدعة هذه و**

طبقات ابن سعد بطریق آخر] میں وارد عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے مروی تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہے چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں:

(خرجت مع عمرَ ابْنِ الخطّاب رضی اللہ عنہ لیلةً فی رمضانَ الیٰ المسجد فاذا الناسُ اوزاعٌ متفرِّقون یصلی الرجل لنفسہٖ، و یصلی الرجل فیصلی بصلوٰتہ الرهط، فقال عمر:

اِنّی اری لو جمعتُ هؤلآء علی قاریءٍ واحدٍ لکان امثل ثم عَزَم فجمعهم علی ابیِّ بْنِ کعبٍ ثم خرجت معه لیلةً اخریٰ والناس یصلّون بصلوٰۃ قارئهم، فقال عمر:

نِعم البدعةُ هذہٖ، و التی ینامون عنها افضل من التی یقومون - یرید آخر اللیل - و کان الناس یقومون اوّلَهٗ)۔ (بخاری مع الفتح ۲۵۰/۴ وبحوالہ صلوٰۃ التراویح للالبانی مترجم اردو ص:۵۵-۵۶)۔

''میں رمضان المبارک کی ایک رات حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا تو دیکھا کہ لوگ الگ الگ نماز پڑھ رہے ہیں، کوئی بالکل اکیلا ہے اور کسی کے ساتھ چند لوگ بھی ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر میں ان سب کو ایک امام کی اقتداء میں باجماعت نماز ادا کرنے پر جمع کردوں تو بہتر ہے، پھر انھوں نے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنایا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے پر جمع کردیا۔ ایک رات پھر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا تو دیکھا کہ لوگ ایک امام کی اقتداء میں تراویح پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ نیا انداز اچھا ہے۔ البتہ جو لوگ رات کے پہلے حصہ میں سوجاتے اور آخری حصہ میں اُٹھ کر نماز پڑھتے ہیں وہ پہلے حصہ میں نماز پڑھنے والوں سے افضل ہیں''۔ اور لوگ رات کے پہلے حصہ میں قیام کیا کرتے تھے ''۔

اس اثر میں جو تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم مذکور ہے، اِس اسے استدلال کرتے ہوئے فریقِ ثانی نے نمازِ تراویح کے، مسجد میں باجماعت ادا کرنے کو افضل قرار دیا ہے اور نمازِ تراویح کے باجماعت ادا کرنے پر ہی مسلمانوں کا عمل چلا آرہا ہے کیونکہ یہ نماز بھی نمازِ عید کی طرح شعائرِ ظاہرہ میں سے ہے، لہٰذا نمازِ عید کی

طرح ہی اسکا بھی باجماعت ادا کرنا ہی افضل ہوا اور یہی تعاملِ امّت ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امام کی اقتداء میں باجماعت نمازِ تراویح ادا کرنے کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے تو یہ دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس نماز کو باجماعت پڑھانے کی بناء پر ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلسل جماعت کرانے سے رُک جانا محض اسکے فرض ہوجانے کے خدشہ کی بناء پر تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد باقی نہ رہا، لہٰذا حضرتِ فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا باجماعت پڑھا جانا ہی راجح ہوا تو انھوں نے اسی پر لوگوں کو جمع کر دیا۔ اِس میں ایک تو وحدتِ امت کا راز پنہاں ہے، دوسرے اکثر نمازیوں کیلئے باجماعت نمازِ تراویح کا ادا کر لینا اکیلے پڑھنے کی نسبت آسان بھی ہوتا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اکیلے اکیلے تراویح پڑھنے سے باجماعت پڑھنے کو (امثل) قرار دینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عملِ مبارک سے استنباط کیا گیا تھا جیسا کہ حافظ ابنِ حجر رحمہٗ اللہ نے ابنُ التین وغیرہ شُرّاحِ حدیث سے نقل کیا ہے اور امام بخاری رحمہٗ اللہ نے اس اثرِ فاروقی کے معاً بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی وہ حدیث وارد کی ہے جسمیں وہ بیان کرتی ہیں :

(ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى و ذالك فى رمضان) ۔

’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ (تراویح) پڑھی اور یہ رمضان کا واقعہ ہے‘‘۔ (اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی) .(بخاری ۲۵۰/۴)

جبکہ امام بخاری کے اس حدیث کو اثرِ فاروقی کے فوراً بعد وارد کرنے میں بھی شائد یہی راز ہے کہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عملِ مبارک سے ہی استنباط کیا تھا کہ باجماعت نمازِ تراویح ہی افضل و بہتر ہے، اور حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عملِ مبارک مذکور ہے۔ (فتح الباری بتصرّف ۲۵۲/۴ نیز دیکھیئے: صلوٰۃ التراویح ص :۳۳۔۳۹ مترجم اردو، للالبانی) جسمیں موصوف نے جماعتِ تراویح کی مشروعیّت چھ احادیث سے ثابت کی ہے۔ جسکا مولانا محمد صادق صاحب خلیل [فیصل آباد] نے اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا ہے) .

ایک کٹ حجتی کا ازالہ :

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے اثر میں وارد انکے الفاظ : ''نِعْمَ (نِعْمتِ) البدعةُ هذهِ'' سے بعض لوگ بڑی کٹ حجتی کرتے ہیں اور اس کو بنیاد بنا کر بدعات کے ایک انبار کو جواز مہیّا کرنا چاہتے ہیں بلکہ ان الفاظ سے انھوں نے باقاعدہ ایک اصول گھڑ لیا ہے کہ بعض بدعات حسنہ بھی ہوتی ہیں جیسا کہ حضرتِ فاروق رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت کو بدعاتِ حسنہ قرار دیا ہے .

اور بدعت حسنہ وسیّئہ کی اس تقسیم کے بعد وہ اپنی ایجاد کردہ بدعات کو جواز مہیّا کرتے پھرتے ہیں جو کہ کئی وجوہ کی بناء پر صحیح نہیں ہے :

اولاً : اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ بدعات کی یہ تقسیم ہی صحیح نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بدعت کو ہی گمراہی اور موجبِ جہنم قرار دیا ہے، چنانچہ صحیح مسلم، اور سنن اربعہ، مسند احمد، بیہقی، دارمی اور مستدرک حاکم میں مروی معروف خطبۂ مسنونہ (جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین، عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین، تبع تابعین، اور آئمہ دین رحمہم اللہ ہر وعظ وارشاد کی مجلس میں پڑھا کرتے تھے اور علماء امّت آج تک خطباتِ جمعہ وغیرہ میں پڑھتے چلے آرہے ہیں) اُس کے آخر میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بھی ہیں :

(و شرَّ الأمور محدثاتُها و كلَّ محدثةٍ بدعة و كلَّ بدعة ضلالة)

''اور بدترین افعال، دین میں داخل کی جانے والی نئی ایجادات ہیں اور ہر ایسی ایجاد بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے''

اور سنن نسائی وصحیح ابنِ خذیمہ میں یہ الفاظ بھی ہیں :

(و كلَّ ضلالةٍ في النار)

''اور ہر گمراہی کا انجام نارِ جہنم ہے''۔ (مشکوٰۃ ۵۱/۱) .

جبکہ تمام بدعات سے بچنے کے بارے میں ابوداوٗد، ترمذی، ابنِ ماجہ، مسند احمد، صحیح ابنِ حبّان اور سنن درامی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

(من یّعش منکم فسیری اختلافاً کثیراً فعیکم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدین المهديين ، عضوا علیها بالنواجذ و ایّاکم و محدثات الأمور فان کلّ بدعة ضلالة) .

''تم میں سے جو شخص (تادیر) زندہ رہا وہ بہت اختلاف دیکھے گا (ایسے میں) تم میری سنّت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ مضبوطی سے اپنائے رکھنا اور خبردار! دین میں ایجاد کیئے جانے والے نت نئے امور سے بچ کر رہنا کیونکہ ہر ایسا طریقہ (بدعت) گمراہی ہے''۔

(بحوالہ ریاض الصالحین ص: ۸۷ بمراجعہ الارناؤوط طبع دار المامون، دمشق)۔

ان احادیث سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حسنہ وسیئہ والی تقسیم صحیح نہیں بلکہ (کلّ) کے لفظ سے نبی ﷺ نے ہر بدعت کو ہی گمراہی وموجبِ جہنم قرار دیا ہے ۔

ثانیاً: اِس اثرِ فاروقی بدعاتِ حسنہ پر استدلال کے صحیح نہ ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں جو لفظ (بدعت) استعمال ہوا ہے وہ اپنے متبادر و معروف معنوں میں نہیں ہے بلکہ یہ تو (مشاکلہ) ہے جو کہ عربوں میں معروف تھا کہ ایسا لفظ استعمال کرنا جس سے اسکا اصل معنیٰ نہیں بلکہ کوئی دوسرا معنیٰ مراد ہوتا ہے۔ خود قرآنِ کریم میں اس مشاکلہ کی مثال موجود ہے، چنانچہ سورۃ البقرہ آیت: ۱۳۸ میں ارشادِ الٰہی ہے :

﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾

''اللہ کا رنگ، اور اللہ سے بہتر رنگ کس کا ہوسکتا ہے؟''

یہاں (صبغة) سے اِسکا متبادر و معروف لغوی معنیٰ رنگ یا پاؤڈر تو نہیں، بلکہ ''دین اسلام'' مراد ہے۔

اسی طرح ہی قولِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں بدعت سے مراد صرف یہ ہے: ''گزشتہ ایام میں نہ پائی

جانے والی چیز کو وجود میں لانا''۔جبکہ یہ بھی نہیں کہ یہ تراویح کی جماعت سابق میں بالکلیہ موجود ہی نہیں تھی ، یہ موجود تھی اور اسکا اجراء اسکے سنّتِ رسول ﷺ ہونے کے پیشِ نظر ہی کیا گیا تھا جیسا کہ تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔اور یہاں یہ بات بھی ذکر کر دیں کہ نبی ﷺ کے چند دن تراویح کی جماعت کرانے کے بعد اسکی جماعت کو ترک کر دینے سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ پھر عہد فاروقی تک دوبارہ کبھی جماعت ہی نہیں ہوئی بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مسجد میں گروہوں کی شکل میں مختلف آئمہ کی اقتداء میں باجماعت تراویح ثابت ہے جیسا کہ اثرِ فاروقی کے شروع کے الفاظ:''...**ویصلی الرجل ویصلّی وبصوته الرّهط** '' سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی اکیلے پڑھتا اور کسی کے ساتھ کچھ لوگ ہوتے ،البتہ ایک امام کی اقتداء میں باقاعدہ جماعت کی شکل نہیں تھی جیسا کہ حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے آخری الفاظ سے پتہ چلتا ہے۔لہٰذا نمازِ تراویح کی جماعت کو معروف معنوں میں بدعت کہنا یا سمجھنا ہی صحیح نہیں۔یہ بدعت تب ہوتی جب اسکا نبی ﷺ سے کوئی ثبوت ہی نہ ہوتا ،حالانکہ ایسا نہیں ہے۔یہ تو دیگر کتبِ حدیث کے علاوہ خود صحیح بخاری میں نبی ﷺ کی سنّت ثابت ہے۔غرض الفاظِ عمر رضی اللہ عنہ میں واردلفظِ بدعت از قسم **(مشاكله)** ہے۔

(نیز دیکھیئے ہماری کتاب ''قبولیتِ عمل کی شرائط'' باب ''بدعات کا اجمالی تعارف'' ص:۱۲۷۔۱۳۳ و ص:۱۹۸۔۲۱۱)

رکعاتِ تراویح کی تعداد :

نمازِ تراویح کی رکعتیں کتنی ہیں؟ اس سلسلہ میں موجودہ تعامل تو آپ کے سامنے ہے کہ کوئی آٹھ (۸) تراویح اور تین (۳) وتر ،کل گیارہ رکعتیں پڑھتا ہے ،کوئی دس (۱۰) تراویح اور تین (۳) وتر ،کل تیرہ رکعتیں پڑھتا ہے اور کوئی بیس تراویح (۲۰) اور تین (۳) وتر ،کل تئیس (۲۳) رکعتیں پڑھتا ہے۔

جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ،علاّمہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری میں ،امام شوکانی نے نیل الاوطار میں اور علاّمہ مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی میں اور دیگر آئمہ وفقہاء اور اہل علم نے اپنی اپنی کتب میں عہدِ خلافتِ راشدہ کے بعد والے مختلف لوگوں سے رکعاتِ تراویح کی مختلف تعداد نقل کی ہے۔ان

میں بغیر وتر کے اور وتر سمیت گیارہ (۱۱) اور تیرہ (۱۳) رکعتیں بھی منقول ہیں اور نمازِ تراویح ہی کی سولہ (۱۶)، بیس (۲۰)، چوبیس (۲۴)، اٹھائیس (۲۸)، چونتیس (۳۴)، چھتیس (۳۶)، اڑتیس (۳۸)، انتالیس (۳۹)، چالیس (۴۰)، اکیالیس (۴۱)، چھیالیس (۴۶)، سینتالیس (۴۷)، اور انچاس (۴۹) رکعتیں بھی منقول ہیں۔ (دیکھیئے: فتح الباری ۴/۲۵۳-۲۵۴، عمدۃ القاری ۴/۷/۱۷۸، ۲۰۴-۲۰۵، ۶/۱۱/۱۲۶-۱۲۷، نیل الاوطار ۲/۳/۵۳، تحفۃ الاحوذی ۳/۵۲۲-۵۳۲) .

ایک عام آدمی رکعاتِ تراویح میں اختلاف کی یہ بھر مار دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ آخر صحیح بات کیا ہے؟ اور اس اختلاف کا حل کیا ہے؟

اِن عرب ممالک اور خلیجی ریاستوں میں تو وتروں سمیت تیرہ رکعتوں کا بھی رواج ہے، جسمیں دراصل نمازِ عشاء کی آخری دو سنتیں یا فجر کی دو سنتیں یا محض دو افتتاحی رکعتیں شامل ہوتی ہیں جیسا کہ عمدۃ القاری (بحوالۂ سابقہ) تحفۃ الاحوذی (حوالۂ سابقہ)، شرح النووی علی مسلم (۳/۶/۲۱۰۱۶)، صلوٰۃ التراویح للالبانی (ص: ۳۰-۳۲ مترجم) اور فتح الملہم مولانا شبیر احمد عثمانی (۲/۲۸۸)، میں تفصیل مذکور ہے ۔

ہمارے برصغیر کے ممالک پاک و ہندوغیرہ میں صرف دو ہی عدد معروف ہیں: ایک وتروں سمیت گیارہ (۱۱) رکعات یعنی آٹھ (۸) تراویح، اور دوسرا وتروں سمیت تیئیس (۲۳) رکعات یعنی بیس (۲۰) تراویح، اور ان ہر دو نظریہ کے قائلین علماء نے اپنا اپنا موقف ثابت کرنے کے لئے آج تک بیشمار کتابیں، رسالے اور مضامیں و مقالے لکھے ہیں اور فریقین نے ہی اپنی اپنی بات منوانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ لیکن عوام الناس کے نزدیک آج بھی یہ سوال باقی ہے کہ آخر صحیح بات اور عددِ مسنون کیا ہے؟ اور فقہاءِ مذاہب کے مابین پائے جانے والے اس اختلاف کا حل کیا ہے؟

مسنون عددِ تراویح:

ہم یہاں گیارہ (۱۱) سے لیکر انچاس (۴۹) رکعات تراویح کے سلسلہ میں پائے جانے والے اقوال، انکے دلائل اور توجیہات کے تذکرہ سے بات کو طول نہیں دینا چاہتے' اہل علم اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں، ہمارے سامنے صرف ایک ہی نقطہ ہے، اور ہم اسے ہی زیرِ بحث لائے ہیں اور وہ نقطہ ایک سوال ہے کہ حدیثِ رسول ﷺ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں نمازِ تراویح کا مسنون عدد یا مسنون نمازِ تراویح کی کتنی رکعتیں ہیں؟

<u>پہلی حدیث :</u>

اس سلسلہ میں جواحادیث ملتی ہیں ان میں سے :

صحیح بخاری و مسلم ابوداؤد و ترمذی، نسائی، مسند احمد، ابی عوانہ، موطا مالک اور سنن بیہقی میں حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

(انـه سأل عائشةَ رضي الله عنها : كيف كانت صلوٰة الرسول ﷺ في رمضان ؟فقالت :ما كان يزيد في رمضان و لا في غيرهٖ علىٰ اِحدى عشرة ركعة ...الخ)

''انھوں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ماہِ رمضان (کی راتوں) میں نبی ﷺ کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ انھوں نے جواب دیا: آپ ﷺ رمضان یا کسی دوسرے مہینے میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے''. (بخاری مع الفتح ۳/۳۳ کتاب التہجّد، باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیرہ ۲۵۱/۴، مسلم مع نووی ۳/۶/۱۷، کتاب صلوٰۃ التراویح للالبانی ص: ۳۰ مترجم اردو، باب فضل من قام رمضان) .

یہ گیارہ رکعتیں تین وتروں سمیت ہیں اور اِن میں تراویح کی تعداد صرف آٹھ (۸) رکعتیں ہیں جیسا کہ خود اسی حدیث کے الفاظ ہیں :

(يـصـلـى أربـعـاً فـلا تسأل عن حُسنهنّ و طولهنّ ثم يصلى أربعاً فلا تسأل عن حُسنهنّ و طولهنّ ثم يصلى ثلاثاً ...الخ)

''آپ ﷺ چار (۴) رکعتیں پڑھتے جن کے طول اور حُسن کا مت پوچھو، پھر آپ ﷺ چار (۴) رکعتیں پڑھتے جن کے طول وحسن کے بھی کیا کہنے، اور پھر تین (۳) پڑھتے تھے''.

(حوالہ جاتِ سابقہ).

صحیحین وغیرہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے قیام اللیل، قیامِ رمضان، تہجّد یا تراویح کی تعداد آٹھ (۸) رکعتیں اور تین (۳) وتر، کل گیارہ (۱۱) رکعتیں تھی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ بھی پڑھی جاسکتی ہیں یہ جائز تو ہے لیکن (مستحب) یہی ہے کہ چار رکعتوں کو دو سلاموں کے ساتھ یعنی دو دو کر کے پڑھا جائے، کیونکہ نبی ﷺ کا عام معمول اور معروف طرزِ عمل یہی تھا اور صحیح مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

(صلوٰة الليل مثنى مثنى)

''رات کی [نفلی] نماز دو دو رکعتیں ہے''. (مسلم ۵۱۶/۱-۵۱۹، بتحقیق، طبرانی بحوالہ صحیح الجامع ۲۵۶/۳/۲).

اس حدیث کا تقاضا بھی یہی ہے، امام نووی نے یہی موقف اختیار کیا ہے، اگرچہ شافعیہ اور شیخ ابن باز کے نزدیک چار رکعتیں ایک سلام سے جائز ہی نہیں.

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ، شرح مسلم ۳۰/۶/۳).

سماحۃ الشیخ ابن باز نے اپنے ایک فتویٰ میں لکھا ہے کہ چار رکعتوں والی حدیث سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ سلام ہر دو رکعتوں کے بعد ہی پھیرتے تھے نہ کہ چار رکعتیں مسلسل پڑھنے کے بعد، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

(صلوٰة الليل مثنى مثنى)۔

''رات کی نفلی نماز دو دو رکعتیں ہے'' (حوالہ جات گزر گئے ہیں)۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

(كان النبي ﷺ يصلي من الليل احدىٰ عشرة ركعة يسلّم من كل اثنتين و يوتر بواحدة)۔

''نبی ﷺ رات کو دو دو رکعتیں کر کے دس رکعات پڑھا کرتے تھے اور آخر میں ایک رکعت وتر پڑھتے تھے'' ۔(متفق علیہ)۔

اور اس معنی کی کئی احادیث ہیں اور مختلف احادیث ایک دوسرے کی تفسیر بیان کرتی ہیں ۔

(فتاویٰ الصیام، ص: ۸۷ جمع وترتیب محمد المسند)۔

ایک شبہ کا ازالہ :

یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ یہ تو آپ ﷺ کی نماز تہجد یا قیام اللیل کی رکعتیں تھیں نہ کہ نمازِ تراویح کی ۔

جبکہ اس اعتراض کا جواب یا اس شبے کا ازالہ اس طرح ممکن ہے جو کہ اسی حدیث کے اندر ہی موجود بھی ہے کہ راوی نے قیامِ رمضان یا مروجہ اصطلاح کی رو سے نمازِ تروایح کے بارے میں سوال کیا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُسے جواب بھی اُسی کے بارے میں دیا۔اور اہل علم کے مابین اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ بقیہ مہینوں کی نمازِ تہجد ہی رمضان المبارک کی نماز تراویح ہے ۔ کیونکہ رمضان شریف میں اس نمازِ تراویح کے علاوہ تہجد پڑھنا نبی ﷺ سے کسی حدیث میں ثابت نہیں ،اور اسی بات کی صراحت ممتاز حنفی عالم علاّمہ انور شاہ کشمیری نے فیض الباری اور تقریر ترمذی [عرف الشذی] میں کی ہے ۔ (العرف الشذی ص: ۳۰۹ ، اور بعض طباعتوں میں ص: ۳۲۹ ، وفیض الباری ۴۲۰/۲ ، وللتفصیل صلوٰۃ التراویح للالبانی ص: ۳۲-۳۴ اردو)۔

نمازِ تراویح ، قیام اللیل ، صلوٰۃ اللیل اور تہجد :

غرض یہ چاروں نام ایک ہی نماز کے ہیں ،سال کے گیارے مہینوں میں جو نماز دوسرے تین ناموں سے پڑھی جاتی ہے اسے ہی ماہِ رمضان میں تراویح کے نام سے ادا کیا جاتا ہے اور جن تین راتوں میں نبی ﷺ نے نمازِ تراویح کی جماعت کروائی تھی اُن راتوں میں الگ سے تہجد کے نام سے نبی ﷺ کا قیام

اللیل ادا کرنا ہرگز ثابت نہیں ہے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بیان کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تراویح کی جماعت سے فارغ ہونے کے بعد اتنا وقت ہی نہیں بچا تھا کہ کوئی دوسری متعدد رکعتوں والی نماز پڑھی جاسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری اور دیگر محدّثین کرام نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی قیام اللیل یا تہجد کی گیارہ رکعتوں والی نماز پر مشتمل حدیث کو کتاب التراویح میں ذکر کیا ہے۔

۱) اس نماز تراویح کے ہی تہجد ہونے ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماہِ رمضان میں تہجد کی جگہ صرف تراویح ہی پڑھنے اور تہجد کے نام سے دوسری کوئی نماز نہ پڑھنے کی واضح دلیل وہ حدیث ہے جسمیں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ماہِ رمضان کے روزے رکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تیئسویں (۲۳) روزے تک قیام نہیں کروایا اور اس رات جب قیام کروایا تو اتنی لمبی قراءت فرمائی کہ پہلی رات کا ایک تہائی حصّہ اور دوسری رات کا آدھا حصّہ قیام میں ہی گزر گیا......اور تیسری رات جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کی جماعت کروائی تو اتنی لمبی تلاوت فرمائی:

(حتیٰ تخوفنا ان یفوتنا الفلاح قلت : ما الفلاح ؟ قال السحور)۔ (ابوداؤد، حدیث:۱۳۶۲، ترمذی، حدیث:۷۸۷، نسائی، حدیث:۱۳۶۴، صحیح ابن حبان، حدیث:۲۵۳۸، صحیح ابن خزیمہ ۳/۳۳۸، حدیث:۲۲۰۶)۔

''حتیٰ کہ ہم ڈر گئے کہ آج کہیں ہم فلاح سے ہی نہ رہ جائیں ، میں نے عرض کیا کہ فلاح سے کیا مراد ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: سحری کھانا''۔

یہ الفاظ صحیح ابن خزیمہ کے ہیں، جنھوں نے اسے صحیح السند قرار دیا ہے، ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے بھی اسے صحیح کہا ہے اور علاّمہ البانی نے انکے صحیح کہنے کو برقرار رکھا ہے۔ (دیکھیئے: صحیح ابن خزیمہ ۳/۳۳۸ بتحقیق الاعظمی)۔

۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز صحابہ کرام کو تراویح پڑھائی اور یہ سلسلہ بند کردیا اور اسکا سبب بعض روایات میں یہ بیان فرمایا:

(ولکنی خشیت ان تفرض علیکم صلوٰۃ اللیل فتعجزوا عنھا)۔(فتح الملہم ۳۲۲/۲)۔

''لیکن مجھے خدشہ ہو گیا کہ کہیں تم پر صلوٰۃ اللیل فرض نہ کر دی جائے اور تم اس سے عاجز رہ جاؤ۔

جبکہ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں:

(خشیت ان یفرض علیکم قیام اللیل ھٰذا الشھر)۔(فتح الملہم ایضاً)۔

مجھے خدشہ ہوا کہ اس ماہ کا قیام کہیں تم پر فرض نہ کر دیا جائے''۔

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان راتوں میں جس نماز کی جماعت نبی ﷺ نے کروائی تھی وہ تراویح ہی تھی۔اور ایسے ہی ان احادیثِ صحیحہ کی بعض روایات میں صلوٰۃ اللیل اور قیام ھذا الشھر بھی کہا گیا ہے۔ تو گویا تراویح ہی رمضان میں صلوٰۃ اللیل اور تہجد بھی ہے۔

۳) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی نمازِ تہجد و تراویح کو ایک ہی سمجھتے تھے اور لوگ رات کے پہلے حصہ میں تراویح پڑھتے تھے جبکہ وہ رات کے آخری حصّہ میں تراویح پڑھا کرتے تھے مگر صرف ایک ہی مرتبہ جیسا کہ علاّمہ انور شاہ کشمیری حنفی نے تفصیل ذکر کی ہے۔(فیض الباری ۴۲۹/۲)۔

۴)علاّمہ کشمیری رحمہ اللہ حنفی نے امام محمد بن نصر مروزی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض علماءِ سلف کا کہنا ہے کہ جو شخص تراویح پڑھے اسے پھر تہجد نہیں پڑھنی چاہیئے اور بعض علماء نے مطلق نوافل کی اجازت دی ہے،اور آگے لکھتے ہیں کہ علماءِ سلف کا یہ اختلافِ رائے بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک دونوں نمازیں ایک ہی ہیں۔(فیض الباری ۴۲۰/۲)۔

تہجد و تراویح میں فرق ثابت کرنے کی بعض کاوشوں کا مختصر جائزہ:

سابقہ دلائل کی روشنی میں انصاف و دیانت کے ساتھ غور کرنے پر واضح ہو جاتا ہے کہ تہجد و تراویح دونوں نام ایک ہی نماز کے ہیں تاہم بعض حضرات بڑے شدّ ومدّ سے دونوں میں فرق کرنے کے قائل ہیں اور اس فرق کو نمایاں کرنے کیلئے بعض نکات کی نشان دہی کی جاتی ہے۔جن کی حقیقت کو واشگاف کرتے

ہوئے ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری ریکٹر جامعہ سلفیہ بنارس لکھتے ہیں:

۱) ایک فرق یہ بتلایا جاتا ہے کہ تراویح شروع رات میں پڑھی جاتی ہے اور تہجد اخیر رات میں۔

مگر یہ محض غلط فہمی ہے۔تہجد اور تراویح کا وقت بالکل ایک ہے یعنی تراویح کے بعد سے فجر کے پہلے تک۔

چناچہ ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان مروی ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ عشاء سے فارغ ہونے کے بعد سے فجر تک کے وقفہ میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے''

اور دوسری روایت میں انہوں نے اس کی تفصیل یہ بتائی ہے کہ:

''آپ ﷺ نے رات کے ہر حصہ میں تہجد کی نماز پڑھی ہے۔کبھی شروع رات میں،کبھی درمیان رات میں،اور کبھی اخیر رات میں''۔(صحیح مسلم ۱۔۲۵۵ وغیرہ)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

''ہم نبی ﷺ کو رات کے جس کسی حصہ میں سوتے ہوئے دیکھنا چاہتے دیکھ سکتے تھے۔اور نماز کی حالت میں دیکھنا چاہتے تو دیکھ سکتے تھے''۔(نسائی،اور شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ صحیح بخاری میں بھی ہے،دیکھیئے حاشیہ مشکوٰۃ ۱۔۳۷۹)۔

یعنی آپ ﷺ نے تہجد کے لئے رات کا کوئی حصہ مثلاً ابتدائی یا درمیانی یا آخری مخصوص نہیں کر رکھا تھا، بلکہ رات کے جس حصہ میں کسی روز نماز پڑھتے ،اسی حصہ میں کسی روز سوتے تھے۔اس طرح چند روز مسلسل آپ کو دیکھا جاتا تو رات کے ہر حصّہ میں کبھی سوتے اور کبھی جاگتے ہوئے دیکھا جا سکتا تھا۔

بعینہٖ یہی معاملہ تراویح کا ہے کہ اسے رات کے جس حصہ میں چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔عام لوگ سہولت کیلئے شروع رات میں پڑھتے تھے،مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اخیر رات میں پڑھتے تھے، نبی ﷺ نے تیسری رات اور بعد میں صحابہ نے بھی کبھی کبھی اسے سحر تک طول دے دیا تھا۔

۲) تہجد اور تراویح میں ایک دوسرا فرق یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ تراویح جماعت سے پڑھی جاتی ہیں اور تہجد بلا جماعت۔

مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے، دونوں ہی نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھی جاسکتی ہیں اور بلا جماعت بھی ۔تہجد میں نبی ﷺ کے ساتھ دوسروں کی شرکت کے واقعات بھی ملتے ہیں ۔ چنانچہ ایک بار ابن عباس رضی اللہ عنہما شریک تھے ۔ایک بار حضرت حذیفہ، ایک بار حضرت ابن مسعوداور ایک بار حضرت جابر رضی اللہ عنہ ۔

(صحیح مسلم ۱/۱۶۰۔۱۶۴)۔

تراویح کی نماز بھی نبی ﷺ نے صرف تین رات جماعت سے پڑھائی ، اس کے بعد فرضیت کے اندیشہ سے جماعت موقوف کردی ۔اور گھروں میں پڑھنے کا مشورہ دیا، اس پر خلافتِ فاروقی کے ابتدائی دَور تک عمل ہوتا رہا۔(صحیح بخاری ۱/۱۴۷۔۱۹۸) ۔یعنی رسول اللہ ﷺ کے حسبِ مشورہ صحابہ اپنے اپنے گھروں میں بلا جماعت تراویح پڑھتے رہے ۔ بلکہ جو حضرات مسجدِ نبوی ﷺ میں آتے تھے، ان میں بھی کوئی اکیلا پڑھتا تھا۔اور کسی کے پیچھے چندافراد کی ایک ٹولی کھڑی ہوجاتی تھی ۔ایک ہی نماز ایک ہی مسجد میں مختلف ٹولیوں کے اندر بٹ کر پڑھنے میں کئی خطرات مضمر ہوسکتے تھے۔اس لیئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں آنے والوں کوایک ہی امام کے تحت جمع کر دیا۔ کیونکہ اب فرضیّت کا اندیشہ نہیں رہا تھا۔اور نبی ﷺ کی مطلوبہ مصلحت پوری ہوچکی تھی ۔لیکن خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر حضرات بھی اس جماعت میں شریک نہ ہوتے تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اخیر رات میں تراویح پڑھنا افضل سمجھتے تھے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تراویح کیلیئے جماعت نہ ضروری ہے، نہ اہم ۔اسے باجماعت بھی پڑھ سکتے ہیں اور بلا جماعت بھی ۔اور بعینہٖ یہی حکم تہجد کا بھی ہے۔

یہ بھی یادرہے کہ اگرایک ہی نماز کسی زمانہ میں جماعت سے اور کسی زمانہ میں بلا جماعت پڑھی جائے تو محض باجماعت اور بلا جماعت کے فرق سے وہ دونوں دو الگ الگ نمازیں نہیں ہوجاتیں ۔آخر وتر کی نماز بھی گیارہ مہینہ بلا جماعت پڑھی جاتی ہے اور رمضان میں جماعت کے ساتھ ۔لیکن کیا کوئی اس بات کا قائل ہے کہ گیارہ مہینے تو یہ وتر ہے اور رمضان میں وتر نہیں بلکہ کچھ اور ہے؟

۳) تہجد اور تراویح میں ایک تیسرا فرق یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ تہجد کی مشروعیّت نصِ قرآنی سے ہوئی ہے۔﴿ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ﴾۔(بنی اسرائیل:۷۹)۔

''[رات کے کچھ حصّہ میں] تہجد کی نماز میں [قرآن پڑھیں]''۔

اور:﴿قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلاً﴾۔(المزّمّل:۲)۔

''رات کو قیام کرو مگر تھوڑی رات میں''۔

اور تراویح کی مسنونیت احادیث سے ہوئی۔

نبی ﷺ نے فرمایا:(سَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهٗ)۔(نسائی، یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ کچھ تفصیل آگے آرہی ہے)۔

یعنی''میں نے رمضان کے قیام کو مسنون کیا''۔

مگر یہ استدلال بھی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ مذکورہ دونوں آیتوں سے یہ تو ظاہر ہی ہے کہ تہجد اور قیام اللیل دونوں ایک ہی نماز کے نام ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جس قیام اللیل کی مشروعیت نصِ قرآنی سے ہو رہی ہے وہ رمضان اور غیر رمضان دونوں کو شامل ہے اس کی تائید نبی ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے:

(جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَ قِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعاً)۔

(سنن کبریٰ بیہقی بسند ضعیف جیسا کہ شیخ البانی نے لکھا ہے، حاشیہ مشکوٰۃ ۶۱۳/۱)۔

''اللہ نے اس [رمضان] کا روزہ فرض کیا ہے اور اس کا قیام نفل بنایا ہے''۔

اب (سَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهٗ) والی حدیث کو لیجیئے۔ اس میں تراویح کا لفظ نہیں ہے بلکہ [قِيَامَهٗ] قیام رمضان کا لفظ ہے اور نصِ قرآنی قیامِ رمضان کو بھی شامل ہے۔ اور جب قیامِ رمضان ہی کا نام تراویح ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ نصِ قرآنی اس کو شامل نہیں۔ پس حقیقت یہ ہے کہ تراویح کی مشروعیّت نصِ قرآنی ہی سے ہوئی ہے۔

رہی (سَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهٗ) والی حدیث تو یہ سخت ضعیف ہے۔ اس کے ایک راوی نضر بن شیبان کے متعلق ابن معین کا ارشاد ہے کہ اس کی حدیث کچھ نہیں۔ امام بخاری اور امام دارقطنی نے بھی اس کی اس

حدیث کی تضعیف کی ہے ۔ (تہذیب التہذیب ۴۳۸/۱۰ ، میزان الاعتدال ۲۳۴/۳) پھر یہ حدیث مذکورہ سابقہ حدیث کے معارض بھی ہے لیکن اس کے باوجود اگر اسے لائقِ اعتبار مان بھی لیں تو یاد رہے کہ شارع حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہے، اس لئے نبی ﷺ کی طرف قیامِ رمضان کی نسبت مشروعیّت کے اعتبار سے نہیں ، بلکہ صرف اس اعتبار سے ہے کہ آپ ﷺ نے عام تہجد کے مقابلہ میں اس کی طرف زیادہ توجہ اور شوق دلایا ہے ۔ اس کے فضائل و برکات بیان کیئے ہیں ۔ تعدادِ رکعات اور کیفیتِ ادا وغیرہ کی تفصیلات بتائی ہیں ۔

یہ بھی یاد رہے کہ لیلۃ القدر کی مشروعیّت اور مسنونیّت کا ذکر خصوصی طور پر قیامِ رمضان سے الگ کیا گیا ہے، مگر کوئی نہیں کہتا کہ لیلۃ القدر کی نماز عام قیامِ رمضان سے جدا کوئی نماز ہے ۔ اسی طرح قیامِ رمضان [تراویح] کا ذکر تہجد سے الگ ہو جانے کی وجہ سے وہ کوئی جدا نماز نہیں بن جاتی ۔

آیئے ! اس سلسلہ میں مولانا انور شاہ کشمیری کا ایک جامع بیان پڑھیئے ! وہ لکھتے ہیں :

(قَالَ عَامَّةُ الْعُلَمَاءِ اَنَّ التَّرَاوِيُحَ وَ صَلَاةَ اللَّيُلِ نَوُعَانِ مُخْتَلِفَانِ وَ الْمُخْتَارُ عِنُدِیُ اَنَّهُمَا وَاحِدٌ وَ اِنِ اخُتَلَفَتُ صِفَتُهُمَا ......وَ جَعُلُ اِخُتِلَافِ الصِّفَاتِ دَلِيُلاً عَلیٰ اخُتِلَافِ نَوُعَيُهِمَا لَيُسَ بِجَيِّدٍ عِنُدِیُ ، بَلُ كَانَتُ تِلُكَ صَلَاةٌ وَاحِدَةٌ اِذَا تُقُدِّمَتُ سُمِّيَتُ بِاسُمِ التَّرَاوِيُحِ وَ اِذَا تُأُخِّرَتُ سُمِّيَتُ بِاسُمِ التَّهَجُّدِ ، وَ لَا بِدُعَ فِيُ تَسُمِيَتِهَا بِاِسُمَيُنِ عِنُدَ تَغَايُرِ الْوَصُفَيُنِ ، فَاِنَّهُ لَا حَرَجَ فِيُ التَّغَايُرِ الْاِسُمِيُ اِذَا اجُتَمَعَتُ عَلَيُهِ الْاُمَّةُ وَ اِنَّمَا يَثُبُتُ تَغَايُرِ النَّوُعَيُنِ اِذَا اُثُبِتَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ صَلّیٰ التَّهَجُّدَ مَعَ اِقَامَتِهٖ بِالتَّرَاوِيُحِ)۔ (فیض الباری ۴۲۰/۲)۔

یعنی عام طور پر علماء [حنفیہ] یہ کہتے ہیں کہ تراویح اور صلوٰۃ اللیل [تہجد] دو مختلف النوع نمازیں ہیں ۔ لیکن میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ یہ دونوں نمازیں ایک ہیں ۔ اگر چہ ان دونوں کے اوصاف میں کچھ اختلاف ہے..... مگر صفات کے اختلاف کو نوعی اختلاف کی دلیل بنانا میرے نزدیک ٹھیک نہیں ہے ۔ حقیقت میں

یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں۔اول شب میں پڑھی گئی تو اس کا نام تراویح ہوا۔اور آخر شب میں ادا کی گئی تو اس کا نام تہجد ہوا۔اور جب ان دونوں کے اوصاف میں کچھ اختلاف بھی ہے تو اس لحاظ سے اگر اس کے دو نام ہوں تو کیا تعجب ہے؟ ہاں!ان دونوں نمازوں کا متغائر النوع ہونا اس وقت ثابت ہوگا جب یہ ثابت ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے تراویح کے ساتھ ساتھ نمازِ تہجد بھی ادا فرمائی تھی۔

مولانا انور شاہ کا بیان آپ نے پڑھ لیا،جن کے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی کا ارشاد ہے کہ:

''اس امّت میں انکا وجود اسلام کی صداقت کی دلیل اور مستقل معجزہ ہے''۔(الفرقان بریلی،صفر ۱۳۷۲ھ)۔

اب مزید اطمینان کیلئے مولانا رشید احمد گنگوہی کا بیان بھی پڑھیئے :

''بر اہلِ علم پوشیدہ نیست کے قیامِ رمضان اور قیام اللیل فی الواقع یک نماز است کہ در رمضان برائے تیسیر مسلمین در اول شب مقررہ کردہ شد، وہنوز عزیمت در ادایش آخر شب است ......نزد ہموں قائل فرضیّتِ تہجد برآں حضرت ﷺ تراویح نفس تہجد است علی التحقیق ...... و بر رائے کسے کہ تہجد را بر آنحضرت ﷺ منسوخ گوید چنانچہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہست رواہ مسلم فی سننہ پس مواظبتِ تہجد دلیل سنّت مؤکدہ خواہد بود، ودلائل قولیہ ناظر استحباب،مگر تہجد رمضان کہ تراویح ست بدلیل قول سنّت موکد خواہد ماند۔اللہ اعلم''۔(لطائف قاسمیہ ص:۱۳۔۱۷ مکتوب سوم)۔

اہلِ علم پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ قیامِ رمضان[تراویح]اور قیام اللیل[تہجد]فی الواقع دونوں ایک ہی نماز ہے۔جو رمضان میں مسلمانوں کی آسانی کیلئے اوّل شب میں مقرر کر دی گئی ہے۔مگر اب بھی عزیمت اسی میں ہے کہ آخر شب میں ادا کی جائے ...... جو لوگ آنحضرت ﷺ کے حق میں تہجد کی فرضیّت کے قائل ہیں انکے نزدیک محقق بات یہ ہے کہ تراویح عین تہجد ہے......اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تہجد کی فرضیّت رسول اللہ ﷺ کے حق میں بھی منسوخ ہوگئی جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے۔تو ان کے مسلک کے مطابق تہجد پر آنحضرت ﷺ کی مواظبت اسکے سنّت مؤکدہ ہونے کی دلیل

ہوگی ۔اور قولی حدیثیں استحباب پر دلالت کریں گی ۔مگر رمضان کی تہجد جو عین تراویح ہے دلیل قولی کی بناپر سنّت مؤکدہ ہی رہے گی ۔اللہ اعلم ۔

خلاصہ یہ کہ زمانہ رمضان کے تہجد ہی کا نام تراویح ہے ۔اسلیئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جسمیں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں رات کی نماز گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے ۔اس سے کسی ادنیٰ شبہ کے بغیر تراویح کی تعداد گیارہ رکعت مسنون ثابت ہوتی ہے ۔

دوسری حدیث:

نمازِ تراویح کے مسنون عدد کے تعیّن پر دلالت کرنے والی دوسری حدیث معجم طبرانی صغیر، قیام اللیل مروزی صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

(صلى بنا رسول الله ﷺ في رمضان ثمان ركعات و اوتر) .

''ہمیں نبی ﷺ نے ماہ رمضان میں نمازِ (تراویح) کی آٹھ رکعتیں پڑھائیں اور وتر پڑھائے''۔

(صحیح ابن خزیمہ ۱۳۸/۲ ،اور شیخ البانی نے اسے تعلیقات ابن خزیمہ میں صحیح قرار دیا ہے ،بحوالہ تحفۃ الاحوذی ۵۲۵/۳ ، وصلوٰۃ التراویح ص:۳۳۔۳۴ مختصر قیام اللیل للمروزی ص:۱۵۵ طبع حدیث اکیڈمی فیصل آباد، التعلیق الممجد ص:۱۳۸، المرعاۃ ۲۹۹/۲ ، علاّمہ ذہبی نے اسکی سند کو اوسط درجے کی قرار دیا ہے۔ میزان الاعتدال ۳۱۱/۳) .

یہ حدیث بھی صحیحین والی حدیث کے معنیٰ میں اور اسکی مؤید ہے ۔اور ایک عینی شاہد کی شہادت ہے ۔کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بھی اس حدیث میں آگے پورا واقعہ بیان کیا ہے کہ اس سے اگلی رات بھی ہم سب اکٹھے ہوکر آپ ﷺ کی آمد کے منتظر رہے ،لیکن آپ ﷺ باہر تشریف نہیں لائے اور صبح پوچھنے پر بتایا:

(انّي خشيت أن يُكتب عليكم) . (حوالہ جات سابقہ)

''میں ڈر گیا تھا کہ کہیں یہ تم پر فرض نہ ہوجائے'' .

علاّمہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس حدیث کو ذکر کرنے اور جرح وتعدیل بیان کرنے کے بعد کہا

ہے کہ اسکی سند اوسط درجے کی ہے اور نبی ﷺ کی رکعاتِ تراویح کی تعداد ذکر کرنے کیلئے حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو فتح الباری میں نقل کیا ہے۔ اور مقدمۂ فتح الباری میں انکی اپنی صراحت کی رو سے کہ وہ فتح الباری میں جس حدیث سے بھی استدلال کریں گے وہ صحیح یا کم از کم حسن درجہ کی ہوگی۔ یہ حدیث کم از کم حسن درجہ کی ثابت ہوتی ہے (جو کہ علاّمہ ذہبی کے قول کے موافق ہے) اس حدیث کی سند کے ایک راوی عیسیٰ بن جاریہ پر مولانا شوق نیموی نے آثار السنن نامی اپنی کتاب میں کچھ کلام نقل کیا ہے جبکہ علاّمہ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے علاّمہ ذہبی رحمۂ اللہ جیسے (ابن حجر کے نزدیک نقدِ رجال میں استقراءِ تامّ کا درجہ رکھنے والے) محدّث کے مقابلہ میں، انکے کلام کو قابلِ التفات قرار نہیں دیا۔

(دیکھیئے: تحفۃ الاحوذی ۳/۵۲۵)۔

تیسری حدیث :

تعدادِ تراویح کے تعیّن اور مسنون عدد کے تقرّر سے تعلق رکھنے والی تیسری حدیث مسند ابی یعلیٰ اور معجم طبرانی اوسط میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جسمیں وہ بیان کرتے ہیں :

(جاء أبيٌّ بْنُ كعب الى رسول الله ﷺ فقال : يا رسول الله ! انه كان منّي الليلةَ شيٌّ يعنى في رمضان ؟ قال : وما ذاك يا أبيّ ؟ قال : نسوةٌ في داري قلن :إنَّا لا نقرأ القرآن ،فنصلى بصلواتك ، قال: فصليت بهنّ ثمانِ ركعات و اوترتُ ،فكانت سنَّةُ الرِضاء و لم يقل شيئاً)

''حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض گزار ہوئے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ! آج رات یعنی رمضان کی رات میں مجھ سے ایک کام سرزد ہوگیا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اے اُبیّ ! وہ کیا کام ہے؟ کہنے لگے: میرے گھر کی خواتین نے کہا: ہم قرآن (زیادہ) نہیں پڑھتیں لہٰذا ہم آپ کے ساتھ تراویح پڑھیں گی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے انھیں آٹھ رکعتیں (تراویح) پڑھائیں اور پھر وتر۔ یہ آپ ﷺ کی سنّتِ رضاء (تقریری حدیث) ہے، کیونکہ آپ

ﷺ نے ان سے کچھ نہ کہا''۔(بحوالہ تحفۃ الاحوذی ۳/۵۲۵۔۵۲۶،مجمع الزوائد ۳/۷۴،قیام اللیل مروزی ص:۱۵۵،اوراس میں یہ الفاظ بھی ہیں : فسکت عنہ و کان شبہ الرضاء آپ ﷺ خاموش ہوگئے جوکہ آپ ﷺ کی رضاش مندی کی علامت ہے،والفتح الربانی ۵/۱۵)۔

مجمع الزوائد میں علاّمہ ہیثمی کے بقول یہ حسن درجے کی حدیث ہےاورکسی کام کا آپ ﷺ کےعلم میں لایا جانا یاکسی کام کوآپ ﷺ کا بچشمِ خود ملاحظہ فرمانا اور پھراس پر خاموش رہنا، یہ آپ ﷺ کی رضا مندی کی دلیل ہے جیسا کہ خوداسی حدیث کے الفاظ سے پتہ چل رہا ہے۔اوراگرحضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ فعل(آٹھ تراویح اوروتر پڑھنا) صحیح نہ ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اس پرنکیرفرماتے،خاموش نہ رہتے کیونکہ کسی غلط کام کوہوتے دیکھ کر یاسن کرنکیر کیئے بغیر خاموشی اختیارکرلینا منصبِ نبوّت کے ہی خلاف ہے۔

<u>چوتھی حدیث:</u>

اسی موضوع کی چوتھی حدیث موطأ امام مالک،سنن کبریٰ بیہقی،مصنف ابن ابی شیبہ اورسنن سعید بن منصور میں ہے،جسمیں سائب بن یزید رحمہٗ اللہ بیان کرتے ہیں :

(أمـر عُمَرُ بْنُ الخطّاب رضی اللہ عنہ ابيَّ بْنَ كعب رضی اللہ عنہ وتميماً الداريَّ رضی اللہ عنہ أن يقوما للناس احدى عشرة ركعة وكان القاريء يقرء بالمِئِيْن حتى كنا نعتمد على العصا من طول القيام وما كنا ننصرف الّا في فروع الفجر) .

''امیرالمؤمنین حضرت عمرالفاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما کوحکم فرمایا کہ وہ لوگوں کوگیارہ (۱۱) رکعتیں پڑھایا کریں اورامام ایک ایک رکعت میں سَو سَو آیات پڑھتا حتی کہ ہم تھک کرعصا کا سہارا لینے پرمجبور ہوجاتے تھےاورطلوعِ فجر کےقریب جاکر ہم نمازِ تراویح سے فارغ ہوتے تھے''۔(موطأ مع تنویرالحوالک للسیوطی ۱/۱۳۸،مشکوٰۃ ۱/۴۰۷،تحفۃ الاحوذی ۳/۲۵۶،قیام اللیل ص:۱۵۵،سنن کبری بیہقی ۲/۴۹۶)۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد مولانا شوق نیموی حنفی لکھتے ہیں: **اسناده صحیح** کہ اسکی سند صحیح ہے۔ (التحفة ایضاً) علّامہ البانی نے بھی اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (مختصر صحیح بخاری ص: ۴۷، صلوٰۃ التراویح ص: ۶۰ اردو)۔

علّامہ ابن عبدالبر نے امام مالک رحمہٗ اللہ کی گیارہ (۱۱) رکعتوں والی اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ امام مالک رحمہٗ اللہ اسمیں منفرد ہیں حالانکہ انکی یہ بات ایک باطل وہم ہے جیسا کہ علّامہ زرقانی نے مؤطا کی شرح میں ابن عبدالبر کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ انکا یہ قول درست نہیں ہے اور علّامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے بھی تحفۃ الاحوذی میں اور شوق نیموی نے آثار السنن میں ابن عبدالبر کے اس وہم کو باطل قرار دیا ہے۔ (شرح الزرقانی ۱/۲۳۹، التحفة ۳/۵۲۶)۔

امام مالک رحمہٗ اللہ نے اپنے لیئے گیارہ رکعتوں کو ہی اختیار کیا ہے، چنانچہ امام سیوطی اپنے رسالہ المصابیح فی صلوٰۃ التراویح میں اپنے ساتھیوں میں سے الجوزی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ امام مالک نے کہا: ''جس عدد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا، مجھے وہی سب سے زیادہ محبوب ہے اور وہ ہے گیارہ رکعتیں اور یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے''۔ ان سے پوچھا گیا کہ وتروں سمیت گیارہ رکعتیں؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں اور تیرہ بھی قریب ہی ہے البتہ یہ جو بکثرت رکعتیں ہیں انکے بارے میں فرمایا:

(ولا أدري من أين أُحدِث هذا الركوعُ الكبير).

''میں نہیں جانتا کہ یہ بکثرت رکعتیں کس نے ایجاد کردی ہیں'' (التحفہ ۳/۵۲۳)

گیارہ رکعتوں کی روایت پر امام مالک رحمہٗ اللہ کی متابعت یحیٰی بن سعید قطّان نے مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۸۹/۲) میں، عبدالعزیز بن محمد نے سنن سعید بن منصور میں، اسماعیل بن امیہ، اسامہ بن زید، محمد بن اسحاق اور اسماعیل بن جعفر نے صحیح ابن خزیمہ (۱/۱۸۶/۴) میں کی ہے، البتہ محمد بن اسحاق نے تیرہ (۱۳) رکعات کا ذکر کیا ہے۔ امام محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل (ص: ۹۵) میں کہا ہے کہ قیام رمضان کے بارے میں سائب بن یزید کی حدیث سے زیادہ صحیح حدیث اور کوئی نہیں ہے یعنی تیرہ رکعات پڑھنے والی

جسمیں سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

(كنا نصلي فی زمن عمر في رمضان ثلاث عشرة ركعة) .

''ہم عہد فاروقی میں ماہ رمضان میں قیام اللیل کی تیرہ (۱۳) رکعتیں پڑھا کرتے تھے''.

(قیام اللیل ص:۹۵ بحوالہ صلوٰۃ التراویح ص:۶۰ والتحفۃ ۳/۵۲۶)۔

امام محمد بن اسحاق نے کہا ہے :

(و هذا أثبتُ ما سمعت في ذالك). (فتح الباری ۴/۲۵۴)۔

''اس سے صحیح حدیث، تراویح کے سلسلہ میں، مَیں نے دوسری کوئی نہیں سنی'' ۔

اور تیرہ رکعات کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ محمد بن اسحاق اسمیں منفرد ہیں۔

پانچویں حدیث :

لیکن یہ روایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صحیح مسلم والی اس روایت کے موافق ہے جسمیں تیرہ رکعتوں کا ہی ذکر ہے لیکن اسمیں فجر کی دو سنتیں بھی شامل ہیں ۔ (مسلم وشرح نووی ۳/۶/۱۷۔۱۹) اسطرح مختلف روایات میں مطابقت بھی ہو جاتی ہے ۔ چنانچہ صحیح مسلم میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

(أن رسولَ الله ﷺ كان يصلى ثلاث عشرة ركعة بركعتي الفجر).

''نبی ﷺ فجر کی دو رکعتوں سمیت تیرہ (۱۳) رکعات پڑھا کرتے تھے'' ۔ (حوالہ سابقہ) .

مذکورۂ سابقہ تمام احادیث وآثار میں گیارہ رکعتوں کا ہی ذکر آیا ہے اور حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا باقی سب قیامِ رمضان یا نمازِ تراویح کے بارے میں ہی ہیں جبکہ مطلق تہجّد کے بارے میں بھی صحیح بخاری ومسلم اور ابوداوٗد میں آٹھ (۸) رکعتوں اور وتروں کا ہی ذکر ملتا ہے، زیادہ کا نہیں ۔ اوران آٹھ کے ساتھ پانچ وتر یعنی تیرہ رکعتیں یا عشاء وفجر کی آخری وپہلی سنتوں سمیت بارہ رکعتوں یا ان میں سے کسی ایک کی سنتوں سمیت دس رکعتوں اور تین رکعاتِ وتر کا تذکرہ ملتا ہے ۔ (تحفۃ الاحوذی ۳/۵۲۴۔۵۲۷)

گیارہ (۱۱) کے عدد کی حکمت :

سابق میں ذکر کی گئی تفصیل سے معلوم ہوا کہ نمازِ تراویح یا قیامِ رمضان و قیام اللیل کا وتروں سمیت مسنون عدد گیارہ (۱۱) رکعتیں ہی ہے اور اس گیارہ کے عدد کی حکمت کیا ہے؟ اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہٗ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں :

''مجھ پر ظاہر ہوا ہے کہ گیارہ سے زیادہ رکعتیں نہ پڑھنے کی حکمت دراصل یہ ہے کہ نمازِ تہجد اور وتر دونوں ہی رات کی نماز کے ساتھ خاص ہیں اور دن کے فرض ظہر کی چار اور عصر کی چار اور مغرب کی تین رکعتیں یعنی کل گیارہ (۱۱) رکعات دن کے وتر ہیں۔ تو مناسب یہی تھا کہ اجمال و تفصیل ہر اعتبار سے رات کی نماز بھی دن کی نماز جتنی ہی ہو۔ اور جن روایات میں تیرہ (۱۳) رکعتوں کا ذکر ہے، انکی مناسبت دن کی نمازوں کی رکعتوں سے یوں ممکن ہے کہ جب مذکورہ تین نمازوں کی گیارہ رکعتوں میں فجر کی دو فرض رکعتیں بھی شامل کرلیں تو تیرہ ہوجاتی ہیں کیونکہ اپنے مابعد کے اعتبار سے وہ بھی دن کی ہی نماز ہے۔

(فتح الباری ۲۱/۳) .

بیس (۲۰) رکعات تراویح سے متعلقہ حدیث کی حقیقت :

سابقہ تفصیل سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ صحیح ترین احادیث اور آثارِ صحابہ ﷺ کی رو سے تراویح کا عدد مسنون گیارہ (۱۱) رکعتیں ہے۔ اب رہی وہ حدیث اور آثار جن سے بیس (۲۰) تراویح کا پتہ چلتا ہے۔ تو بیس تراویح کے ذکر پر مبنی نبی ﷺ تک پہنچنے والی سند پر مشتمل یعنی مرفوع حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مصنف ابن ابی شیبہ، معجم طبرانی کبیر، سنن کبریٰ بیہقی، مسند عبد بن حمید الکشی، اور معجم بغوی میں مروی ہے جسمیں وہ بیان کرتے ہیں :

(أن النبي ﷺ كان يصلي في رمضان عشرين ركعة سوى الوتر) .

''نبی ﷺ رمضان میں وتروں کے سوا بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے'' ۔(بحوالہ تحفۃ الاحوذی ۵۲۹/۳) .

بیس (۲۰) تراویح کے ذکر پر مبنی شائد صرف یہی ایک مرفوع حدیث ہے کیونکہ اس موضوع کی دوسری کوئی روایت ہماری نظر سے نہیں گزری ، البتہ بعض صحابہ کے آثار ہیں جنھیں ہم آگے چل کر ذکر کر رہے ہیں ۔ اور یہاں اس مرفوع روایت کی استنادی حیثیت کے تعیّن کیلئے ہم ماہرینِ فنِ حدیث کے اقوال پیش کر رہے ہیں ۔

۱) معروف حنفی محدّث علّامہ زیلعی نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں لکھتے ہیں :

''یہ روایت امام ابوبکر ابن ابی شیبہ کے دادا ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے معلول (علّت والی) ہے کیونکہ اسکے ضعیف ہونے پر تمام محدّثینِ کرام کا اتفاق ہے اور ابن عدی نے الکامل میں اسے لیّن (کمزور) قرار دیا ہے ، پھر یہ روایت اُس صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے جسمیں رمضان و غیر رمضان کسی وقت نبی ﷺ کے گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھنے کا ذکر آیا ہے اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہٗ اللہ کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث (**ماكان يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة**) بھی نقل کی ہے جو ہم ''مسنون عددِ تراویح'' کے تعیّن کیلئے پہلی حدیث کے طور پر ذکر کر آئے ہیں ۔ (نصب الرایہ ، وتحفۃ الاحوذی ۳/۵۲۹) .

۲) ایسے ہی ایک دوسرے حنفی عالم مولانا شوق نیموی اپنی کتاب آثار السنن کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ضعیف ہے ۔ امام بیہقی نے اس حدیث کو وارد کر کے آخر میں لکھا ہے کہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی الکوفی اسمیں منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے ۔

اور تہذیب الکمال میں مزی لکھتے ہیں : امام احمد ، یحیٰ اور ابن داؤد نے کہا ہے کہ یہ (ابوشیبہ) ضعیف ہے ۔ اور یحیٰ نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ثقہ نہیں ہے ۔ امام نسائی اور دولابی نے کہا ہے کہ یہ متروک الحدیث ہے اور ابوحاتم نے کہا ہے : **ضعيفُ الحديث سكتوا عنه** ۔ حدیث بیان کرنے میں ضعیف و کمزور ہے اور محدّثین اس سے حدیث روایت کرنے سے سکوت کئے ہوئے ہیں اور صالح نے کہا ہے کہ وہ

ضعیف تھا، اُسکی بیان کردہ حدیث نہ لکھی جائے اور آگے چل کر مزی کہتے ہیں: اسکی منکر روایات میں سے ایک وہ ہے جسمیں ہے کہ نبی ﷺ رمضان میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

ایسے ہی میزان الاعتدال میں علاّمہ ذہبی نے بھی کہا ہے۔(بحوالہ التحفہ)

حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ نے تقریب التہذیب میں اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔(التقریب ص:۲۵)۔

نصب الرایہ میں علاّمہ زیلعی کے نقل کردہ اقوال کے بعد سے لیکر حافظ ابن حجر کے قول تک کے تمام اقوال آثارالسنن میں مولانا شوق نیموی نے بھی نقل کیئے ہیں۔

۳)ایک تیسرے حنفی عالم شیخ ابنُ الہمام نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں اس حدیث کونقل کرنے کے بعد لکھا ہے :ابوشیبہ کی وجہ سے یہ ضعیف ہے۔اور تمام محدّثین اِسکے ضُعف پر متفق ہیں اور پھر یہ ایک صحیح حدیث کے مخالف بھی ہے ۔(بحوالہ التحفہ ۵۲۹/۳۔۵۳۰)۔

۴)ایک چوتھے حنفی عالم علاّمہ عینی نے بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں لکھا ہے:امام ابن ابی شیبہ کے دادا قاضیٔ واسط ابوشیبہ کی امام شُعبہ نے تکذیب کی ہے،اور امام احمد،ابن معین، بخاری اور نسائی نے اُسے ضعیف قرار دیا ہے۔،اور امام ابن عدی نے اُسکی روایت کردہ اِس حدیث کو اُسکی مناکیر میں سے قرار دیا ہے۔(عمدۃ القاری ۱۲۸/۱۱/۶)۔

۵۔۶۔۷)اس حدیث کو مولانا عبدالحیٔ لکھنوی،مولانا انورشاہ کشمیری اور مولانا محمد زکریا کاندھلوی جیسے علماءِ احناف نے بھی ضعیف کہا ہے۔غرض امام احمد،ابن معین، بخاری،نسائی،سیوطی (الحاوی للفتاوی ۷۳/۲) اور ہیثمی نے بھی ضعیف قرار کیا ہے۔(للتفصیل:عمدہ القاری ایضاً،نماز تراویح ص:۳۶۔۳۷،وصلوٰۃ التراویح عربی ص:۱۹۔۲۰)التحفہ (۵۲۹/۳)میں علاّمہ عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں:یہ حدیث سخت ضعیف ہے جس سے استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ استدلال کے لائق ہی نہیں۔

متعلقہ آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی استنادی حیثیت :

بیس رکعات تراویح سے تعلق رکھنے والی اس مذکورہ بالا حدیث کی استنادی حیثیت تو آپ کے علم میں آ گئی ہے، اب آپ خود بآسانی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ وہ مرفوع حدیث قابلِ حجت واستدلال نہیں ہے۔
اب رہی بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی موقوف آثار کی، تو اُن میں سے محدّثین کے نزدیک صحیح سند کے ساتھ مروی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اثر (چوتھی حدیث کے طور پر) ذکر کیا جا چکا ہے جسمیں مذکور ہے کہ انھوں نے حضرت ابیّ بن کعب اور حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں اور وہی عدد امام مالک رحمہٗ اللہ سے محفوظ تر مروی ہے۔

پہلا اثرِ فاروقی:

یہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے اور مصنف عبدالرزاق والا اثر (جسمیں اکیس رکعتوں کا ذکر آیا ہے) وہ غیر محفوظ اور محض راوی کا وہم ہے.

(فتح الباری ۴/۲۵۳، التحفہ ۳/۵۲۶۔۴۲۷، نماز تراویح ص:۶۱۔۶۳ اردو ص:۴۸ عربی).

بلکہ بقول علّامہ شیخ محمد ناصر الدین البانی: گیارہ رکعات والی حدیث کے مقابلہ میں مصنف عبدالرزاق کا اکیس رکعتوں والا اثر پیش ہی نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں یہی بات کہی ہے اور اسکی متعدد وجوہات ہیں، جن میں سے ایک تو یہ بات ہے کہ اکیس کا لفظ غلطی اور وہم کا نتیجہ ہے ’’صحیح لفظ‘‘ گیارہ ہی ہے۔ دوسرے یہ کہ ثقہ رواۃ اکیس کا نہیں بلکہ گیارہ کا ذکر کرتے ہیں، تیسرے یہ کہ اکیس کی روایت بیان کرنے میں امام عبدالرزاق منفرد ہیں، اور وہ اگرچہ مشہور ومعروف مصنّف وثقہ اور حافظ ہیں، لیکن عمر کے آخری حصہ میں نابینا ہو جانے کی وجہ سے حافظ خراب ہو گیا تھا، حافظ ابن حجر نے التقریب میں اسکی صراحت کی ہے۔ اور ابن الصلاح نے مقدمہ علوم الحدیث (ص:۴۰۷) میں امام احمد بن حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ امام عبدالرزاق آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے ان کا حافظہ صحیح نہیں رہا تھا، تلقین کرنے والے کی تلقین کو قبول کر لیتے تھے لہٰذا جن لوگوں نے انکے نابینا ہونے کے بعد اُن سے سنا ہے،

اُنکے سماع کا اعتبار نہیں۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اُن سے انکی آخری عمر میں سماع کیا ہے انکا سماع محلِّ نظر ہے اور مقدمہ الفصل (ص:۳۹۱) میں فرماتے ہیں: جن رواۃ کے حافظہ میں اختلاط رونما ہوجائے ان سے جن شاگردوں نے اختلاط سے پہلے جو کچھ روایت کیا ہو، انکی اُس روایت کو قبول کیا جائیگا۔ جبکہ یہ مذکورہ اثر مشتبہ روایتوں میں داخل ہے۔ نیز اس میں شذُوذ اور مخالفتِ صحیح بھی موجود ہے، جو اسکو ضعیف بنارہی ہے۔ (التقریب ص:۳۲۴ و نمازِ تراویح ص:۱۴۱ اردو، ص:۴۸۔۴۹ عربی)۔

دوسرا اثرِ فاروقی :

ایسے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک دوسرا اثر مصنف ابن ابی شیبہ میں یحی بن سعید رحمہ اللہ سے مروی ہے جسمیں وہ بیان کرتے ہیں :

(ان عمرَ بْنَ الخطابِ رضی اللہ عنہ أمر رجلاً يصلي بهم عشرين ركعة).

''حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات نمازِ تراویح پڑھائے''۔

(بحوالہ تحفۃ الاحوذی ۵۲۸/۳، نمازِ تراویح ص:۶۴) ۔

اس اثر کے بارے میں مولانا شوق نیموی حنفی آثار السنن میں لکھتے ہیں کہ اس کی سند کے راوی تو ثقہ ہیں لیکن یحی بن سعید انصاری نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو پایا ہی نہیں اور نیموی کی تائید کرتے ہوئے علاّمہ عبد الرحمٰن مبارکپوری تحفۃ الاحوذی میں لکھتے ہیں کہ یہ اثر منقطع اور نا قابلِ استدلال وحجّت ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ مؤطا امام مالک اور دیگر کتبِ حدیث میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعتیں پڑھانے کا حکم فرمایا تھا۔ ایسے ہی یہ اس صحیح حدیث کے بھی مخالف ہے جسکی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گیارہ رکعتیں پڑھنا ثابت ہے ۔

(حوالہ جات سابقہ)۔

تیسرا اثر :

سنن کبریٰ بیہقی اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں ایک تیسرا اثر یزید بن خصیفہ کے طریق سے سائب بن یزید سے مروی ہے جسمیں وہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے قاری حضرات سو سو آیات تلاوت کرتے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں لوگ طول قیام کی تکلیف کے پیشِ نظر چھڑیوں یا لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے (فتح الباری ۴/۲۵۳ ،نمازِ تراویح ص: ۴۹، ۶۱، ۶۲)۔عمدۃ القاری میں نقل کی گئی نص کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی ایسے ہی تھا جیسا کہ پہلے خلفاء کے عہد میں رہا.(العمدہ ۴/۷/۱۷۸)۔اس اثر میں جو یہ الفاظ ہیں کہ ''حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں بھی ایسے ہی تھا'' ان الفاظ کے بارے میں مولانا شوق نیموی نے کہا ہے کہ یہ مدرج قول ہے، امام بیہقی کی تصنیفات میں کہیں بھی اس کا سراغ نہیں ملتا اور علاّمہ مبارکپوری نے مولانا نیموی کے اس تبصرہ کی تصدیق کی ہے .(التحفہ ۳/۵۳۱)۔رہی اس اثر کی استنادی حیثیت تو اس اثر کو بڑے شدّ ومد سے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ بظاہر اسکی سند صحیح نظر آتی ہے بلکہ بعض اہل علم نے اسے صحیح کہا بھی ہے .(انظر عمدۃ القاری ۴/۷/۱۷۸)۔لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو اس اثر کو ضعیف کرنے والے علل وعوامل موجود ہیں اور وہ اسے ''منکر'' کی قسم میں بھی داخل کررہے ہیں۔

پہلی علّت :

ان میں سے پہلی علّت یا سببِ ضُعف یہ ہے کہ ابنِ خصیفہ اگرچہ ثقہ ہے لیکن امام احمد بن حنبل نے اسے منکر الحدیث کہا ہے، امام ذہبی نے اسے میزان الاعتدال میں ذکر کیا ہے جو اسکے متکلم فیہ راوی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔اور امام احمد کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کبھی کبھی ایسی روایات میں منفرد رہ جاتا ہے جنکو ثقہ راوی روایت نہیں کررہے ہیں لہٰذا ایسے راوی کی بیان کردہ روایت کو اسوقت ردّ کردیا جائیگا جب وہ اپنے سے زیادہ قوی الحافظہ روای کی مخالفت کرے۔ایسی صورت میں اصولِ حدیث کی رو سے ایسی روایت کو شاذ کہا جائیگا۔

پھر اس روایت میں سائب بن یزید سے محمد بن یوسف اور ابن خصیفہ دو وراوی روایت بیان کر رہے ہیں اوران دونوں کا بیان ایک دوسرے سے مختلف ہے، محمد بن یوسف گیارہ رکعات بیان کرتے ہیں جبکہ ابن خصیفہ اکیس رکعات ۔ اوران دونوں میں سے محمد بن یوسف کی روایت کوترجیح حاصل ہوگی کیونکہ وہ ابن خصیفہ سے زیادہ ثقہ ہیں چنانچہ ابن حجر نے محمد بن یوسف کوثقہ ثبت لکھا ہے اور ابن خصیفہ کو صرف ثقہ۔اس وضاحت کے پیش نظر گیارہ رکعات والی روایت کوہی ترجیح ہوگی جیسا کے اصولِ حدیث کے علم شریف کوجاننے والے کسی شخص سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔

دوسری علّت :

اس اثر کوضعیف بنانے والا دوسرا سبب یاعلّت یہ ہے کہ ابن خصیفہ کی روایت میں گنتی کے یقین کے لحاظ سے اضطراب پایا جاتا ہے، وہ سائب بن یزید سے کبھی گیارہ رکعات ذکر کرتے ہیں اور کبھی اکیس اور اکیس کے ذکر کے ساتھ حَسِبْــتُ (میرا خیال ہے) کہتے ہیں، لہٰذا اس روایت میں اکیس کا ذکر گیارہ رکعتوں والی حدیث کے خلاف ہے اور حَسِبْــتُ کے لفظ کا استعمال ابن خصیفہ کے اضطراب پر دلالت کرتا ہے، خصوصاً جبکہ انھیں اس عدد پر یقین نہیں بلکہ اسکا ذکر وہ بصورتِ ظن کرتے ہیں، لہٰذا عدم تیقّن کے پیش نظر یہ اثر ساقط الاعتبار ہوگا، اور پھر جب یہ راوی اپنے سے زیادہ قویّ الحفظ (أحفظ) کی مخالفت کر رہا ہے تو اس صورت میں اس اثر کا قابل حجّتِ ہونا محلِّ نظر ہوگا۔

تیسری علّت :

محمد بن یوسف، سائب بن یزید کے بھانجے ہیں، اس قرابت ورشتہ داری کے پیش نظر وہ اپنے ماموں کی روایت کوکسی بھی دوسرے راوی سے زیادہ جانتے ہیں لہٰذا جس عدد کوانھوں نے بیان کیا ہے اسے ہی ترجیح ہوگی۔ نیز یہ اثر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی مرفوع حدیث کے بھی موافق ہے۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کوسنّت کی مطابقت والی صورت میں لینا ہی زیادہ مناسب ہے بہ نسبت اسکے کہ

کسی ایسی روایت کو لیا جائے جس سے وہ سنّتِ نبوی ﷺ کی مخالفت کرتے نظر آئیں.

(نمازِ تراویح ص:۶۲،۶۳،ص:۴۹۔۵۱عربی)۔

شیخ اسماعیل محمد الانصاری کی طرف سے شیخ البانی کا تعاقب اور اسکی حقیقت :

یہاں یہ بات بھی ذکر کرتے چلیں کہ اس تیسرے اثر کے بارے میں تو ہم آغاز میں ہی لکھ آئے ہیں کہ بعض اہلِ علم نے اس اثر کو صحیح کہا ہے چنانچہ وہاں ذکر کیئے بعض مصادر کے ساتھ ہی ایک اور رسالہ بھی آتا ہے جو کہ شیخ اسماعیل محمد الانصاری (دارالافتاء۔الریاض)۔کی کاوش کا نتیجہ ہے جسکا عنوان ہے: **تصحیح حدیث صلوٰۃ التراویح عشرین رکعة** ۔موصوف کا یہ مقالہ پہلے الریاض سے شائع ہونے والے مجلّہ ''**رایة الاسلام**'' کے بعض شماروں میں (۱۳۸۰ھ میں) شائع ہوا اور پھر ۱۳۸۴ھ میں مستقل رسالے کی شکل میں بھی طبع ہوا جبکہ اسکا تیسرا ایڈیشن ہمارے پیشِ نظر ہے جو ۱۳۰۸ھ۔۱۹۸۸ء میں مکتبۃ الامام الشافعی بالریاض کی طرف سے طبع ہوا ہے اسمیں پہلے مذکورہ رسالہ کل تیس (۳۰) صفحات پر مشتمل ہے اور پھر ایک مضمون ہے اور پھر آخر میں موصوف کے حالاتِ زندگی سات صفحات پر مشتمل ہیں جو انکے کسی ''شاگرد'' کی طرف منسوب ہیں اور درمیان میں تقریباً ایک سو صفحات پر مشتمل موصوف کا ایک دوسرا رسالہ یا کتاب ہے جسکا عنوان ہے: **اباحة التحلي بالذهب المحلّق للنسآء**۔

چنانچہ سنن کبریٰ بیہقی جلد دوم ص:۴۹۶ **باب مارُوی في عدد رکعات القیام في شهر رمضان** سے مذکورۃ الصدر اثر نقل کرنے کے بعد شیخ انصاری نے لکھا ہے کہ اس ''حدیث'' کو امام نووی نے الخلاصۃ اور المجموع میں صحیح کہا ہے اور زیلعی نے نصب الرایۃ میں اس تصحیح کو برقرار رکھا ہے اور شرح المنہاج میں سبکی، طرح التثریب میں ابن العراقی عمدۃ القاری میں عینی المصابیح في صلوٰۃ التراویح میں سیوطی، شرح مؤطا میں ملاعلی قاری اور آثار السنن میں نیموی وغیرہم نے اسے صحیح کہا ہے (رسالۂ انصاری ص:۷)۔

ان اہلِ علم کی مذکورہ اثر کی تصحیح کی طرف تو شیخ البانی نے بھی اپنی کتاب ''**صلوٰۃ التراویح**'' میں اشارہ کر

دیا تھا اور پھر اسکے بعد انھوں نے متعدد وجوہات وعلل کی بناء پر اس اثر کو مرجوح، شاذ اور منکر قرار دیا ہے جسکی تفصیل تو موصوف کی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے جسکی تلخیص مختلف چھ علّتوں کی شکل میں شیخ انصاری نے اپنے رسالے میں بھی نقل کی ہے۔

سرِ دست ہم شیخ انصاری کے رسالہ کا تعاقب کرنے کی پوزیشن میں تو نہیں البتہ یہاں اتنا کہے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں کہ شیخ اسماعیل انصاری نے اپنے ذہنی میلان یا نظریہ کو ثابت کرنے کیلئے اپنے رسالہ کے اندر جو ہاتھ پاؤں مارے ہیں وہ تو مارے ہی ہیں۔ انھوں نے تو اپنے اس رسالے کا عنوان تجویز کرتے یا اسکا نام رکھتے وقت بھی بڑے دل گردے سے کام لیا ہے اور ''اثر'' کو ''حدیث'' کا نام دیتے ہوئے ''تصحیح حدیث.....'' کہا ہے نہ کہ ''تصحیح اثر.....''۔

حالانکہ مرفوع حدیث ہم ذکر کر آئے ہیں جسکے ضعیف ہونے پر تمام اہلِ علم متفق ہیں اور یہ ممکن ہی نہیں کہ موصوف کو حدیث اور اثر کے مابین پایا جانے والا فرق معلوم نہ ہو۔ اور محدّثین کے عرفِ عام میں جسے ''حدیث'' کہا جاتا ہے، اُسے ترک کر کے ایک اثر کو حدیث باور کرواتے ہوئے رسالے کا نام ''تصحیح حدیث.....'' رکھنا ہرگز صحیح وصواب نہیں بلکہ تحقیق وتعاقب کی بجائے یہ روش تو انکے اپنے ذہنی رجحان کی تائید میں جانبداری کی غمّازی کر رہی ہے۔

اور جب رسالے کا عنوان اور نام ہی اتنا فتنہ بردوش ہے تو اسکے متن کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے اور اسکے ساتھ کیا کیا توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں۔

اور رسالے کا نام دیکھ کر بلا اختیار زبان پر آجاتا ہے ؎

خشتِ اول چوں نہد معمار کج　　　تا ثریا میرود دیوار کج

''معمار جب کسی عمارت کی بنیاد ہی ٹیڑھی رکھے گا تو وہ عمارت کیسے سیدھی کھڑی ہو سکے گی، آسمان تک بھی لے جائیں ٹیڑھی ہی جائے گی''۔

شیخ محمد ناصرالدین البانی نے بذاتِ خود بھی انکا یہ تعاقب پڑھا اور '' تمــام المنّة ''میں بڑے افسوس کے ساتھ لکھا ہے کہ موصوف کے ساتھ حسنِ ظن کے باوجود ان سے کوئی علمی اختلاف وتعاقب سامنے نہیں آیا اور انھوں نے بلا وجہ کی جو الزام تراشیاں کی ہیں ان میں سے ایک ایک کر کے چاروں پانچوں کے بڑے بچے تلے جواب دیئے ہیں جنکی تفصیل انکی کتاب '' تمام المنّة ''ص:۲۵۳۔۲۵۵ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

<u>چوتھا اثر :</u>

عمدة القاری میں علاّمہ عینی نے ابن عبدالبر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی ذیاب سے مروی ہے کہ سائب بن یزید فرماتے ہیں:

(کان القیام علیٰ عهد عمر بثلاث و عشرین رکعة)۔

(عمدة القاری ۳/۵/۳۵۷ بحوالہ نمازِ تراویح ص:۶۳ و۵۲ عربی)۔

''حضرت عمر فاروق ؓ کے عہدِ خلافت میں لوگ تیئس رکعتیں پڑھتے تھے''۔

اس اثر کی سند بھی ضعیف ہے کیونکہ ابن ابی ذیاب کا حافظہ کمزور ہے۔

ابن ابی حاتم نے **الجــرح و التعـديل** میں اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ دراوردی اس راوی سے منکر روایات بیان کرتا ہے لہٰذا وہ قوی نہیں اور یہ کہا ہے: **یکتــب حدیثـه** اسکی حدیث بس لکھی جائیگی۔ ابو زرعہ نے اس راوی کے بارے میں **لا بأس به** کہا ہے کہ اس پر کوئی خاص مواخذہ نہیں اور انکے ان الفاظ کی وجہ سے مذکورہ راوی امام مالک رحمہٗ اللہ کے نزدیک قابلِ اعتماد نہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے **التهذیب** میں ذکر کیا ہے البتہ وہ اپنی دوسری کتاب **التقریب** میں اسکے بارے میں کہتے ہیں:

صدوق یحکم وہ سچا تھا

علماء اصولِ حدیث کے نزدیک ایسے اوصاف والے راوی سے مروی حدیث قابلِ حجت نہیں ہے
جبکہ اسمیں وہم کے وجود کے ساتھ ساتھ ثقہ ثبت کے اوصاف والے رواۃ کی مخالفت بھی موجود ہے کیونکہ
ان اوصاف سے متّصف راوی محمد بن یوسف گیارہ رکعات ذکر کرتے ہیں۔
علّامہ البانی لکھتے ہیں کہ معلوم نہیں ان تک اسکی سند صحیح ہے یا نہیں کیونکہ ابن عبدالبر کی اس اثر والی کتاب
ہمارے سامنے نہیں کہ ساری سند دیکھ سکتے۔(نمازِ تراویح ص:۶۳، ۶۴ و ص:۵۲ عربی)۔

پانچواں اثر:

موطا امام مالک اور سنن کبریٰ بیہقی میں یزید بن رومان بیان کرتے ہیں:
(كان الناس فى زمن عمر يقومون في رمضان بثلاثٍ و عشرين ركعة)۔
(عمدۃ القاری ۴/۷/۱۷۸، فتح الباری ۴/۲۵۳، نمازِ تراویح ص:۵۲، ۵۳ و ص:۶۴ عربی)۔
''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں لوگ رمضان میں تئیس رکعات سے قیام کیا کرتے تھے''۔
امام بیہقی نے کہا ہے کہ ان میں سے تین رکعتیں تو وتر ہیں۔ اسطرح باقی بیس رکعات تراویح رہ جاتی ہیں
جبکہ خود امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ یزید بن رومانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں ملے، یعنی ان کا زمانہ
ہی نہیں پایا، امام زیلعی حنفی نے اس بات کی تائید **نصب الراية** (۲/۱۵۴) میں کی ہے اور **المجموع
شرح المهذب** (۴/۳۳) میں امام نووی نے بھی اس اثر کو ضعیف قرار دیا ہے اور خود امام بیہقی نے اس اثر
کو مرسل قرار دیا ہے کیونکہ یزید بن رومان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی (سنن کبریٰ ۲/۴۹۶)
علّامہ عینی حنفی نے بھی اس اثر کی سند میں پائے جانے والے انقطاع کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔
(عمدۃ القاری ۴/۷/۱۷۸)۔
یہ پانچوں آثار ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور انکے عہدِ خلافت سے تعلق رکھتے ہیں سوائے ایک (تیسرے اثر)

کے۔کیونکہ اسمیں حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت کا ذکر بھی ہے۔

حضرت عمر فاروق ﷛ کے عہدِ خلافت میں بیس تراویح پڑھی جانے کے بارے بعض آثار ذکر کئے جا چکے ہیں جن میں سے کوئی ایک بھی صحیح نہیں ہے اور یہی حالت بعض دیگر صحابہ سے مروی آثار کی بھی ہے۔ایسے ہی سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت عمر فاروق ﷛ کے عہد خلافت کے بارے میں ایک اثر اور بھی ہے جسمیں سائب بن یزید ﷛ بیان فرماتے ہیں :

(كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب بعشرين ركعة و الوتر).

’’حضرت عمر فاروق کے عہد میں ہم بیس رکعاتِ تر واتح اور وتر کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے‘‘۔

(تحفۃ الاحوذی ۵۳۰/۳)۔

اس اثر کی سند کو علاّمہ سبکی نے شرح المنہاج میں اور ملا علی قاری نے شرح موطا میں صحیح قرار دیا ہے لیکن یہ انکا تسامح ہے کیونکہ اس اثر کی سند میں ایک راوی ابو عثمان البصری ہے جسکا نام عمرو بن عبداللہ ہے جسکے بارے میں خود مولانا شوق نیموی نے آثار السنن میں کہا ہے : مجھے کوئی ایسی کتاب نہیں ملی کہ جسمیں اسکے حالات مذکور ہوں اور علامہ مبارکپوری نے بھی تحفۃ الاحوذی میں لکھا ہے کہ تفحّص وتلاشِ بسیار کے باوجود مجھے بھی اس راوی کے حالات کہیں نہیں ملے اور لکھا ہے کہ :اس اثر کی سند میں ہی ایک دوسرا راوی ابو طاہر الفقیہ بھی ہے جو کہ امام بیہقی رحمہ اللہ کا استاذ ہے، اور مجھے کوئی ایسا محدّث نظر نہیں آیا کہ جس نے اس کی توثیق کی ہو لہٰذا جو شخص اس اثر کی سند کو صحیح قرار دے، اس پر لازم ہے کہ وہ ان دونوں راویوں کے بارے میں ثابت کرے کہ یہ ثقہ اور قابلِ حجّت ہیں۔اور تاج الدین سبکی نے الطبقات الکبریٰ میں جو کہا ہے کہ وہ (الفقیہ) اپنے زمانے کے فقہاء ومحدّثین کے امام ماہرِ لغتِ عرب اور معرفتِ شرائط میں ید طولیٰ رکھنے والے تھے اور اس موضوع پر انھوں نے ایک کتاب لکھی، انکی یہ باتیں بھی اس راوی کے ثقہ او رقابلِ حجّت ہونے کا ثبوت نہیں بنتیں۔اس سے زیادہ سے زیادہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ علمِ حدیث وفقہ، لغتِ عرب اور معرفتِ شرائط کے جلیل القدر عالم تھے لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ وہ ثقہ تھے۔

الحاصل: اس اثر کی سند کا صحیح ہونا بھی محلِّ نظر ہے۔

اس مخدوش استنادی حیثیت کے علاوہ یہ اثر ایک تو سنن سعید بن منصور میں عبدالعزیز بن محمد اور محمد بن یوسف کے طریق سے مروی اُس اثر کے بھی خلاف ہے جسمیں سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

(كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب رضي الله عنه باحدىٰ عشر ركعة) .

''ہم حضرت عمر فاروق کے عہدِ خلافت میں گیارہ رکعتوں سے قیام کیا کرتے تھے''۔(بحوالہ سابقہ)

اس اثر کو ذکر کر کے امام سیوطی نے اپنی کتاب المصابیح میں کہا ہے: **اسناده في غاية الصحة** ۔کہ اسکی سند صحت کے انتہائی بلند درجہ پر فائز ہے۔

اسی طرح بیہقی والا مذکورہ اثر قیام اللیل مروزی میں مروی اثر کے بھی مخالف ہے جو کہ محمد بن اسحاق حدّثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب بن یزید کے طریق سے ہے جسمیں ہے :

(كنا نصلي في زمن عمر رضي الله عنه في رمضان ثلاث عشرة ركعة) .

''ہم عہدِ فاروقی میں ماہِ رمضان میں تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے''۔(ایضاً)

مذکورہ اثر موطا امام مالک اور دیگر کتب میں مروی اُس اثر کے بھی خلاف ہے جسمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھایا کریں۔(جس کی تخریج گزر گئی ہے) .

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام بیہقی کا مذکورہ بالا اثر لائقِ حجّت نہیں ہے، اور اگر کوئی کہے کہ امام بیہقی نے اس اثر کو دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے جسمیں ہے :

كانوا يقومون علىٰ عهد عمر بن الخطاب رضي الله عنه في شهر رمضان عشرين ركعة) .

''خلافتِ فاروقی میں لوگ ماہِ رمضان میں بیس رکعتوں سے قیام کیا کرتے تھے''۔(التحفہ ۵۳۱/۳).

اسکے ساتھ ہی اگر کوئی یہ کہے کہ اس اثر کی سند کو امام نووی اور بعض دیگر اہلِ علم نے صحیح قرار دیا ہے، تو اسکا

جواب یہ ہے کہ اس اثر کی سند میں ابوعبداللہ بن فنجویہ دینوری ایک راوی ہے جسکا ترجمہ وحالات علاّمہ مبارکپوری کوکہیں نہیں ملے اور جوشخص اس اثر کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرے اس پر لازم ہے کہ پہلے وہ اس راوی کے ثقہ اور قابلِ حجّت ہونے کا ثبوت مہیّا کرے۔ رہا مولانا نیموی کا یہ کہنا کہ یہ دینوری اپنے زمانے کے کبار محدّثین میں سے تھا۔ ایسے شخص کے بارے میں کسی سے کیا پوچھنا ؟ موصوف کا یہ قول قابلِ التفاف نہیں کیونکہ کسی کے محض کبار محدّثین سے ہونے سے یہ توہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ ثقہ بھی ہو۔ (انظر تحفۃ الاحوذی ۵۳۰/۳۔۵۳۱) .

چھٹا اثر :

خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی بعض آثار ملتے ہیں جن میں بیس تراویح کا ذکر وارد ہوا ہے اور بعض دیگر صحابہ کے آثار بھی ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ ممکنہ حد تک تمام ہی آثار کوذکر کر کے انکی استنادی حیثیت واضح کردی جائے تاکہ بات کھل کر سامنے آجائے۔ لہٰذا آیئے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی آثار کا جائزہ لیں چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ اور بیہقی میں ابوالحسناء بیان کرتے ہیں:

(انّ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امر رجلاً ان یصلّی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعة)۔

(تحفۃ الاحوذی ۵۲۷/۳ ونمازِ تراویح ص:۶۶،۷۴عربی)۔

''حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کوحکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعتیں پڑھائے ''۔

اس اثر کوروایت کرنے کے بعد خود امام بیہقی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ علاّمہ ذہبی نے ابوالحسناء کو **لا یعرف** [غیر معروف] اور حافظ ابن حجر نے اسے **مجھول** [نامعلوم] کے اوصاف سے متّصف کیا ہے۔ اور التہذیب میں حافظ موصوف نے ابوالحسناء کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ قربانی سے متعلّقہ حدیث حکمۃ بن عیینہ عن حنبش عن علی کے طریق سے بیان کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ تراویح والے اس

مذکورہ اثر کی سند سے دوراوی ساقط ہوگئے ہیں لہٰذا یہ اثر معضل اور ضعیف ہے۔(نمازِ تراویح ایضاً)اور تحفۃ الاحوذی میں حافظ ابن حجر اور امام ذہبی کے مذکورہ اقوال نقل کرنے کے علاوہ مولانا نیموی کا قول بھی نقل کیا ہے چنانچہ آثار السنن کے حاشیہ پر وہ لکھتے ہیں کہ اس اثر کا سارادارومدار ابوالحسناء پر ہے اور وہ غیر معروف ہے۔(التحفۃ ۳/۵۲۷)۔

<u>ساتواں اثر :</u>

سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک اثر ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے جسمیں حماد بن شعیب عن عطال ابن السائب عن ابی عبدالرحمٰن السلمی کے طریق سے سلمٰی بیان کرتے ہیں:

(دعا علي رضي الله عنه القرّاء في رمضان فأمر منهم رجلاً يصلّي بالناس عشرين ركعة و كان علي يوتر بهم)۔(التحفۃ ۳/۵۲۷۔۵۲۷،نمازِ تراویح ص:۶۶،۷۴ عربی)۔

''ماہ رمضان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرّاءحضرات کو بلایا اوران میں سے ایک آدمی کوحکم فرمایا کہ وہ لوگوں کوبیس تراویح پڑھایا کرے۔اورخودحضرت علی رضی اللہ عنہ نمازِ وتر پڑھایا کرتے تھے''۔

اس اثر کے بارے میں مولانا نیموی حنفی نے آثار السنن میں لکھا ہے :حماد بن شعیب ضعیف ہے۔ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسکے بارے میں کہا ہے کہ اسے ابن معین وغیرہ کبار محدّثین نے ضعیف کہا ہے اور یحیٰی نے ایک مرتبہ کہا:اس کی روایت کردہ حدیث نہیں لکھی جائیگی۔امام بخاری نے کہا ہے کہ وہ محلِّ نظر ہے،امام نسائی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور ابن عدی نے کہا ہے اسکی روایت کردہ اکثر احادیث ایسی ہیں جن پر اسکی متابعت نہیں کی جائیگی۔یہ تو اس اثر کے بارے میں ایک حنفی عالم کا نقد وتبصرہ ہے،جبکہ ایک دوسرے عالم ابن الہمام التحریر میں لکھتے ہیں کہ جب امام بخاری کسی راوی کے بارے میں کہہ دیں کہ وہ محلِّ نظر ہے،تواس راوی کی بیان کردہ روایت نہ قابل حجت ہوتی ہے نہ قابلِ استشہاد اور نہ ہی اعتبار کے لائق۔ اور علاّمہ مبارکپوری لکھتے ہیں کہ اس اثر کی سند میں حماد بن شعیب ہے جسکے بارے میں امام بخاری نے کہا

ہے کہ وہ محلِّ نظر ہے، لہٰذا یہ اثر قابلِ حجّت واستشہاد اور لائقِ اعتبار نہیں ہے۔(التحفہ ۵۲۸/۳)
علاّمہ البانی نے لکھا ہے کہ امام بخاری حماد کے بارے میں کبھی تو کہتے ہیں کہ وہ محلِّ نظر ہے اور کبھی اسے منکر الحدیث کہتے ہیں اور المذاہب للسیوطی، مختصر علوم الحدیث لابن کثیر، التحریر لابن الہمام، الرفع و التکمیل لابی الحسنات لکھنوی اور تحفۃ الاحوذی علاّمہ مبارکپوری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نہ ایسا راوی قابلِ اعتبار ہوتا ہے اور نہ ہی اسکی روایت لائق استشہاد ہوتی ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ محمد بن فضیل نے عدد کے سلسلہ میں حماد بن شعیب کی مخالفت کی ہے کیونکہ اسکے بیان کردہ اثر میں بیس کا لفظ نہیں ہے۔ لہٰذا اس اصولِ حدیث کی روشنی سے یہ اثر منکر بھی ہوا۔(نمازِ تراویح ص:۷۴،۷۵۔ص:۶۶،۶۷ عربی)

آٹھواں اثر :

بیس تراویح کے سلسلے میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی بعض آثار ملتے ہیں جن میں سے ایک اثر مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے جسمیں عبدالعزیز بن رفیع بیان کرتے ہیں :

(كان ابي بن كعب رضی اللہ عنہ يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة و يوتر بثلاثة)

''حضرت ابی بن کعب ماہ رمضان کے دوران مدینہ طیبہ میں لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھایا کرتے تھے اور تین وتر'' (تحفۃ الاحوذی ۵۲۸/۳، نمازِ تراویح ص:۷۵۔ص:۶۷ عربی)

اس اثر کے بارے میں مولانا شوق نیموی حنفی نے لکھا ہے کہ عبدالعزیز بن رفیع نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا اور علاّمہ مبارکپوری لکھتے ہیں کہ اسکا معنیٰ یہ ہوا کہ یہ اثر منقطع ہے۔ اور ضُعفِ انقطاع پر مستزاد یہ کہ یہ اثر اُس حدیث کے بھی خلاف ہے جسمیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے اپنے گھر کی عورتوں کو آٹھ تراویح پڑھانے کا تذکرہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر سکوتِ رضا فرمانا وارد ہوا ہے، ایسے ہی یہ اثر اس صحیح سند والے اثر کے بھی خلاف ہے جسمیں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں (بشمول تین رکعاتِ وتر) پڑھائیں جیسا

کہ ان دونوں کی نصوص ذکر کی جا چکی ہیں۔(تحفۃ الاحوذی ۳/۵۲۸۔۵۲۹)۔

علاّمہ البانی نے عبد العزیز اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مابین پائے جانے والے انقطاع کی وضاحت کرتے ہوئے تہذیب التہذیب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان دونوں کی وفات کے مابین ایک سو سال کا فاصلہ ہے(لہٰذا عبد العزیز کا حضرت ابی رضی اللہ عنہ کو پانا ہی ممکن نہیں تو پھر ان سے روایت کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے؟)۔

نواں اثر :

حضرت ابی بن کعب کا یہ بیس رضی اللہ عنہ تراویح پڑھانا ایک دوسری سند سے المختارۃ للضیاء المقدسی میں بھی مروی ہے جسمیں ابوجعفر عن ربیع بن انس عن ابی العالیہ کے طریق سے ابوالعالیہ بیان کرتے ہیں:

(أنّ عمر أمر أُبيّاً أن يصلي بالناس في رمضان ....فصلّى بهم عشرين ركعة)

حضرت عمر نے حضرت رضی اللہ عنہ ابی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ رمضان میں لوگوں کو نماز پڑھاؤ تو انھوں نے بیس رکعتیں پڑھائیں''۔ (نمازِ تراویح ص:۶۷،ص:۶۹ عربی)

اس اثر کی سند بھی ضعیف اور اس کا متن منکر ہے۔اسکا راوی ابوجعفر جسکا نام عیسیٰ بن ابوعیسیٰ بن ماہان ہے امام ذہبی نے اسے ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔ابوزرعہ کہتے ہیں کہ وہ کثیر الوھم ہے،امام احمد کبھی تو اسے غیر قویّ کہتے ہیں اور کبھی صالح الحدیث۔فلاس نے اسے سیٔ الحفظ (خراب حافظے والا) کہا ہے۔ البتہ بعض محدّثین نے اسے ثقہ بھی قرار دیا ہے لیکن امام ذہبی الکنیٰ میں لکھتے ہیں کہ اس راوی کو تمام محدّثین مجروح قرار دیتے ہیں، حافظ ابنِ حجر نے التقریب میں سیٔ الحفظ اور علاّمہ ابنِ قیّم نے اسے صاحب المناکیر (منکر روایات بیان کرنے والا) قرار دیا ہے۔خصوصاً جب یہ کسی روایت کے بیان کرنے میں منفرد رہ جاتا ہے تو پھر اس روایت کو قابلِ صحّت ہرگز نہیں سمجھا جاتا۔(للتفصیل: زادالمعاد ۱/ ۲۷۵۔۲۷۶ بتحقیق الارناؤوط،التقریب ص:۴۱۱۔۵۷۹،نمازِ تراویح ص:۶۷۔۷۷ اردو،ص:۶۹،۷۰ عربی)۔

دسواں اثر :

قیام اللیل مروزی میں اعمش ،حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں :

(كان يصلي عشرين ركعة و يوتر بثلاثة)

’’حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے‘‘۔

(تحفۃ الاحوذی ۵۲۹/۳،نمازِ تراویح ص:۷۸،ص:۷۰عربی)۔

علاّمہ مبارکپوری فرماتے ہیں کہ یہ اثر منقطع ہے کیونکہ اعمش نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا(حوالہ سابقہ)۔اور علاّمہ البانی نے لکھا ہے کہ صرف منقطع ہی نہیں بلکہ اس اثر کو معضل کہنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ مسند ابن مسعود پر گہری نظر رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے، کہ اس اثر کی سند میں اعمش اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان سے دوراوی ساقط ہیں،تو گویا یہ اثر منقطع یا معضل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔(صلوٰۃ التراویح ص:۷۱)۔

ان تمام آثار کی مجموعی حیثیّت :

انفرادی حیثیت سے تو بیس تراویح سے متعلقہ تمام آثار کی حالت ذکر کی جا چکی ہے کہ وہ ضعیف اور ناقابل حجّت و استدلال ہیں جبکہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی حدیث یا اثر ایک سند سے تو ضعیف ہو لیکن اسکی بعض دیگر اسناد یا طُرق ایسے بھی ہوں جن سے اس سند میں پایا جانے والا ضعف زائل ہوسکتا ہو یا ضعف کا سبب ختم ہوسکتا ہو تو پھر ان احادیث یا آثار کی مجموعی حیثیت باہم مل کر تقویت اختیار کر جاتی ہے،لیکن بیس تراویح سے متعلقہ باہم تقویت کی افادیت سے بھی عاری ہیں۔چنانچہ علاّمہ محمد ناصر الدین البانی، جو دورِ حاضر میں بلاشبہ فنِ حدیث کے صفِ اول کے ماہر ہیں۔وہ اپنی کتاب صلوٰۃ التراویح میں :

هذه الروايات لا يقوّي بعضها بعضاً .

کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یا انکے عہدِ خلافت سے متعلقہ) سابقہ

روایات اپنی کثرت کے باوجود دو وجوہات کی بناء پر ایک دوسرے سے مل کر بھی تقویت اختیار نہیں کرتیں:

پہلی وجہ :

ان روایات کے ایک دوسرے کو تقویت نہ دینے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ روایات کی جو بظاہر کثرت نظر آتی ہے وہ ممکن ہے کہ حقیقی کثرت نہ ہو، بلکہ محض شکلی کثرت ہو، کیونکہ ہمارے پاس حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت کے سوا دوسری کوئی روایت متصل نہیں ہے، یزید بن رومان اور یحیٰ بن سعید انصاری کی روایات منقطع ہیں اور ممکن ہے کہ ان روایات کا دارومدار بھی انہی میں سے بعض پر ہو جنھوں نے پہلی روایت بیان کی ہے۔ اوراسکے علاوہ بعض دیگر احتمالات بھی ممکن ہیں اور معروف قاعدہ ہے کہ احتمال کے وجود سے استدلال ساقط ہو جاتا ہے۔

دوسری وجہ :

ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ محمد بن یوسف ثقہ وثبت راوی کے طریق سے حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے مروی گیارہ رکعتوں والی روایت ہی صحیح ہے جو کہ امام مالک نے بیان کی ہے اور جس نے اس عدد کی روایت میں امام مالک کی مخالفت کی ہے وہ اسکی خطا ہے۔ ایسے ہی محمد بن یوسف کی مخالفت کرنے والے ابن خصیفہ اور ابن ابی ذیاب کی روایتیں شاذ ہیں۔ اور علمِ اصطلاحاتِ حدیث میں یہ بات طے ہے کہ شاذ روایت منکر و مردود ہوتی ہے کیونکہ وہ خطا کا نتیجہ ہوتی ہے اور خطا سے تقویت حاصل نہیں ہوا کرتی۔

مقدمہ ابن الصلاح میں ہے:

''اگر کوئی راوی کسی بات کے بیان کرنے میں منفرد رہ جائے تو دیکھا جائیگا کہ اگر اُس بات میں وہ اپنے سے زیادہ حفظ وضبط والے کی مخالفت کرتا ہے تو اسکی روایت شاذ ومردود ہوگی اور اگر وہ کسی ایسے راوی کی مخالفت نہ کرتا ہو بلکہ ایک ایسی بات بیان کرے جو دوسرے کسی نے بیان نہیں کی تو اسکے عادل وحافظ اور

موثوقِ اتقان وضبط ہونے کی شکل میں اُسکا وہ اضافہ قبول کیا جائیگا‘‘۔

اس اصول کی رو سے یہ بیس تراویح والی روایت حفظ وضبط میں اولیٰ کی مخالفت کی بناء پر شاذ ومردود ہے اور یہ واضح بات ہے کہ علماءِ حدیث نے شاذ کو اسمیں پائی جانے والی خطا کے ظاہر ہونے کی وجہ سے رد کیا ہے اور جسمیں کوئی خطا ثابت ہوجائے تو پھر یہ بات کیسے معقول ہوسکتی ہے کہ اس سے کسی دوسری روایت کو تقویت دی جائے ؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ شاذ ومنکر روایات تو معتد بہ ہی نہیں ہوتیں اور نہ ہی ان سے استشہاد کرنا صحیح ہے بلکہ شاذ کا وجود اور عدمِ وجود دونوں برابر ہیں ۔ اور آگے یزید ویحیٰ کی منقطع روایات کے بارے میں بھی بالتفصیل ثابت کیا ہے کہ وہ دونوں بھی اصولاً ایک دوسری کو تقویت پہنچانے کے قابل نہیں ہیں ۔ اور اس پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور امیر صنعانی رحمہما اللہ کے تائیدی واصولی اقوال بھی نقل کیۓ ہیں ۔

آگے چل کر لکھا ہے :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلقہ روایات کے بارے میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے باکل یہی یا اس سے ملتی جلتی بات ہی حضرت علی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی روایات کے بارے میں بھی کہی جائے گی بلکہ اس پر مستزاد یہ کہ ان میں سے بعض سخت ضعیف ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی دوسرے طریق والی روایت (سابقۃ الذکر ساتواں اثر) ہے ۔ اور وہ اس لائق نہیں کہ اس دوسرے طریق سے طریقِ اول تقویت اختیار کرسکے ۔ (للتفصیل: صلوٰۃ التراویح ص: ۵۶۔۵۹)۔

<u>ہفت روزہ الاعتصام میں ایک استفتاء :</u>

قرآن کریم اور خصوصاً کتبِ حدیث میں بعض وجوہات کی بناء پر تحریف وتبدل واقع ہوا یا بعض اہلِ علم نے اپنے نظریات کیلئے اسکا ارتکاب کیا، اور یہ تحریفات کسی ایک جگہ نہیں بلکہ کئی جگہ اور کئی مسائل میں کی گئیں، جن میں سے ہی ایک ’’ مسئلہ تر واتح ‘‘ سے متعلقہ ایک حدیث بھی ہے۔

ان تحریفات کے سلسلہ میں ہی حضرت العلّام شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود محدّث جلالپوریؒ کا ایک رسالہ نعم الشهود علىٰ تحريف الغالين في أبي داؤد شائع ہوا تھا۔کئی سال کے بعد اسے ہفت روزہ الاعتصام لاہور نے بھی شائع کیا تھا جسے ''سنن ابی داوٗد میں تحریف'' کے زیرِ عنوان شائع کیا گیا ،اسمیں پہلے ایک استفتاء ہے جس میں سائل نے مولانا سلطان محمود محدّث جلال پور پیروالا ملتان کا ایک رسالہ نعم الشهود على تحريف الغالين في سنن أبى داؤد پوچھا ہے:ابوداوٗد شریف جو کہ فرید بُک سٹال لاہور کی چھاپی ہوئی ہے،اس کی پہلی جلد کے (ص:۵۳۱) پر یوں تحریر ہے :

(حَدَّثَنَا شُجَاعُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا هَاشِمٌ أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلَىٰ أُبَيِّ بْنِ كَعَبٍ، كَانَ يُصَلِّي لَهُمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَلاَ يَقْنُتُ بِهِمْ اِلَّا فِيْ النِّصْفِ الْبَاقِيْ... الْحَدِيْث) .

''ہمیں شجاع بن محمد نے حدیث بیان کی ،ہمیں ھاشم نے حدیث بیان کی ،ہمیں یونس بن عبید نے حسن کے واسطے سے خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اُبّی بن کعب کی امامت پر اکٹھے کیا اور وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھاتے تھے،اور دعاءِ قنوت صرف نصفِ ثانی میں ہی پڑھتے تھے......''.

حالانکہ اسی حدیث میں ابوداوٗد مطبع مصر (۲/۶۵) میں [عِشْرِيْنَ لَيْلَةً] ہے،اور مشکوٰۃ مطبع لاہور میں بھی [لَيْلَةً] ہی ہے''مظاہر حق''،مطبع لکھنو میں بھی [لَيْلَةً] ہی ہے،اس لئے [عِشْرِيْنَ لَيْلَةً] کی جگہ [عِشْرِيْنَ رَكْعَةً] (۲۰ رکعت) فرید بُک اسٹال والے مترجم عبدالحکیم خان اختر کی اختراع معلوم ہوتی ہے،اوراُس کے حاشیہ پر مترجم نے ایک نوٹ درج کیا ہے جو حسبِ ذیل ہے:''اس حدیث کے الفاظ [كَانَ يُصَلِّيْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً] کا واضح مطلب یہ ہے کہ انہیں بیس رکعتیں پڑھاتے تھے،لیکن مولانا وحید الزمان صاحب نے ان لفظوں کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ بیس راتوں تک نماز پڑھا کرتے تھے،اور [عِشْرِيْنَ رَكْعَةً] کا بیس راتوں تک ترجمہ کرکے

ممکن ہے کہ علاّمہ صاحب نے اپنے ہم خیال لوگوں کو مطمئن یا خوش کرلیا ہو، لیکن ترجمانی کے پردہ میں حدیث کو بازیچۂ اطفال بنا کر خیانت اور دھاندلی کا ایسا ارتکاب کیا ہے کہ اہلِ علم کو ہرگز زیب نہیں دیتا ۔

اختلافی مسائل میں اپنے موقف کو درست منوانے کے لئے احادیث میں کتر بیونت کر جانا اہلِ علم کا شیوہ نہیں''۔ وَ اللّٰہُ أَعْلَمُ ۔

اب استفسار یہ ہے کہ سنن ابی داؤد کے نسخے میں الفاظ [عِشْرِیْنَ رَکْعَةً] صحیح ہیں یا [لَیْلَةً] اور یہ کتر بیونت کس زمانہ میں ہوئی ؟ اور اس کا بانی کون ہے ؟

[آپ کا خادم علی محمد خطیب جامع مسجد اہلحدیث مداد، ڈاک خانہ خاص براستہ جنڈیالہ شیر خان ضلع و تحصیل شیخو پورہ]۔

مدیر الاعتصام کا نوٹ :

اس پر الاعتصام کے اس وقت کے مدیر مولانا حافظ صلاح الدین صاحب یوسف (صاحب تفسیر احسن البیان) نے یہ نوٹ لکھا ہے : ''یہ عریضہ پڑھ کر سخت تعجب ہوا کہ اصل عربی نسخے میں تو ان حضرات نے تحریف کی تھی ، اب بنائے فاسد علیٰ الفاسد، کے مطابق ایک بریلوی ناشر نے اس تحریف کو اُردو میں منتقل کر کے اور اس پر مذکورہ حاشیہ آرائی کر کے [نالے چور نالے چتر] یعنی [چوری اور سینہ زوری] کا کردار ادا کیا ہے، یعنی تحریف کا کردار ادا کرنے والے خود ہیں لیکن اسے اہلحدیث مترجم مولانا وحید الزمان خان مرحوم کے سر منڈھ دیا ہے، جنھوں نے بالکل صحیح ترجمہ کیا ہے ۔

فَاِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

بہر حال عریضہ نگار کے اسی سوال کہ ابوداؤد میں یہ تحریف کیوں، کب اور کیسے ہوئی ؟ کے جواب میں ہم مولانا سلطان محمود صاحب حفظہ اللہ کا فاضلانہ مقالہ شائع کر رہے ہیں جس میں ابوداؤد کے نسخے میں

مذکورہ تحریف کا جائزہ لیا گیا ہے، یہ مقالہ نِعم الشهود علىٰ تحريف الغالين في سنن أبي داؤد کے نام سے کئی سال قبل پمفلٹ کی صورت میں شائع ہوا تھا، اسے ضرورتِ مذکورہ کے تحت اب دوبارہ[الاعتصام]میں شائع کیا جارہا ہے جس سے مذکورہ سوال کا جواب سامنے آجاتا ہے[وَ هُوَ هَـذَا](ص،ی).

اس ادارتی نوٹ کے بعد محدّث جلال پوری کا رسالہ نقل کیا ہے، جسکا ضروری حصہ افادۂ عام کیلئے ہم یہاں پیش کررہے ہیں :

شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود صاحب محدّث جلالپوریؒ کا ایک محقّقانہ مقالہ

بسم الله الرحمن الرحيم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَ الصَّلوٰةُ وَ السَّلَامُ عَلىٰ مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ .

ایک پانچ ورقی رسالہ بعنوان ''غیر مقلّدین کے سفید جھوٹ کی حقیقت'' نظر سے گزرا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں آٹھ نہیں، جس میں مصنّف نے بہت سی غیر ذمّہ داری کی باتیں لکھی ہیں، لیکن انکے جواب کی ضرورت نہیں، اس لیئے کہ یہ مسئلہ صدیوں سے علماء کے مابین موضوعِ بحث رہ چکا ہے، اور اس پر فریقین کی طرف سے اس قدر لکھا جاچکا ہے کہ اب مزید لکھنا ایک چھیڑ خانی اور بحث برائے بحث کے علاوہ کچھ نہیں، البتہ صرف ایک بات ایسی نظر سے گزری جونئی ہے، اور خطرہ ہے کہ اس سے نئے فتنے جنم لیں گے، اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ علماءِ اسلام کو اس پر توجّہ دلائی جائے تاکہ آئندہ کے لیئے اس قسم کی ناپاک تحریفوں کو دینی دفاتر میں

راہ پانے سے روکا جاسکے، اور وہ بات یہ ہے کہ رسالہ مذکورہ کے صفحہ: (۵) پر ابوداوٗد شریف کے حوالے سے ایک حدیث کے الفاظ یوں نقل کیئے گئے ہیں :

(عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ﷛ جَمَعَ النَّاسَ عَلىٰ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ لَهُمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً). (بحوالہ ہفت روزہ الاسلام لاہور جلد ۱۶ شمارہ ۴۲ بابت ۱۸ شعبان ۱۴۱۰ھ بمطابق ۱۶ مارچ ۱۹۹۰ء .)

''حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب ﷛ نے لوگوں کو حضرت اُبیّ بن کعب ﷛ کی امامت پر اکٹھے کیا اور وہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھاتے تھے''.

یہ ہے مصنفِ رسالہ کی عبارت، اس میں خط کشیدہ لفظ یعنی [رَكْعَةً] غلط ہے صحیح لفظ [لَيْلَةً] ہے، یعنی ابوداوٗد شریف کی حدیث کے اصل الفاظ یوں ہیں :

(عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ﷛ جَمَعَ النَّاسَ عَلىٰ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّي لَهُمْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَلَا يَقْنُتُ بِهِمْ اِلَّا فِيْ النِّصْفِ الْبَاقِيْ، فَإِذَا كَانَتِ الْعَشْرُ الْأَوَاخِرُ تَخَلَّفَ فَصَلّىٰ فِيْ بَيْتِهٖ فَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَبِقَ أُبَيٌّ) .

''حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر ﷛ نے لوگوں کو حضرت اُبیّ بن کعب ﷛ کی امامت پر اکٹھے کیا، وہ لوگوں کو بیس راتیں تراویح پڑھاتے تھے، اور نصف ثانی کے سوا دعاءِ قنوت نہیں کرتے تھے، جب آخری عشرہ آتا تو جماعت کرانا چھوڑ دیتے اور اپنے گھر میں نماز پڑھتے اور لوگ کہتے کہ ابیّ بھاگ گئے ہیں ''.

یہ ہیں حدیث کے اصل الفاظ جن میں بیس راتوں کا ذکر ہے نہ کہ بیس رکعتوں کا، اور ظاہر ہے کہ [لَيْلَةً] کی بجائے [رَكْعَةً] کا لفظ لانا اور اسے بیس تراویح کے ثبوت کے لئے مستدل بنانا ایک اہم دینی کتاب میں شرمناک تحریف ہے۔ اگر سوال پیدا ہو کہ جب [لَيْلَةً] کی بجائے [رَكْعَةً] بعض مطبوعہ نسخوں میں موجود ہے تو پھر اسے تحریف کیوں کہا جائے؟ تو جواباً عرض

ہے کہ جن نسخوں میں لفظ[رَکْعَۃً] موجود ہے،اُن کی حقیقت بعد میں بیان کی جائے گی ،اُس سے پہلے وہ شواہد دیکھ لیئے جائیں جوتحریف پر دلالت کرتے ہیں اور وہ کئی امور ہیں :

پہلی شہادت :

۱۳۱۸ھ تک ابوداوٴد کے جتنے نسخے ہندوستان میں طبع ہوئے،ان سب میں [لَیْلَۃً] کا لفظ ہی مطبوع ہے، کہیں بھی [رَکْعَۃً] والے نسخے کا اشارہ نہیں اوراسی طرح بیرونِ ہند آج تک جہاں بھی یہ کتاب طبع ہوئی،ان تمام مطبوعہ نسخوں میں لفظ[لَیْلَۃً] ہی مرقوم ہے کہیں بھی[رَکْعَۃً] کا اشارہ تک نہیں ہے،سوائے ان دوتین نسخوں کے جن کودیوبندی ناشرین نے طبع کرایا،جن کا ذکر بعد میں آئے گا .

دوسری شہادت :

جن اسلاف آئمہ وعلماء نے سنن ابی داوٴد کے حوالے سے یہی حدیث نقل فرمائی،ان سب نے [لَیْلَۃً] کا لفظ نقل کیا،کسی نے بھی [رَکْعَۃً] کے نسخہ کا صراحتاً یا اشارۃً ذکر نہیں کیا،ملاحظہ ہو[مشکوٰۃ المصابیح باب القنوت،فصل ثالث] کی پہلی حدیث،جس کوصاحبِ مشکوٰۃ نے یوں نقل کیا ہے :

(عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ﷺ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰی أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَلَا يَقْنُتُ بِهِمْ اِلَّا فِيْ النِّصْفِ الْبَاقِيْ،فَاِذَا كَانَ الْعَشْرُ الْأَوَاخِرُ يَتَخَلَّفُ فَصَلّٰى فِيْ بَيْتِهٖ فَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَبِقَ أُبَيٌّ.)(ابوداوٴد .)

''حضرت حسن بصری رحمہٗ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کوحضرت ابیؓ رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھنے پر جمع کیا،وہ لوگوں کوبیس راتیں نماز پڑھاتے اورصرف نصفِ ثانی میں ہی دعاءِ قنوت کرتے تھے،اور جب عشرہٴ اخیر آتا تو جماعت کرانا چھوڑ دیتے،اوراپنے گھر میں نماز پڑھتے اور لوگ کہتے کہ ابیؓ بھاگ گئے ہیں ''.

اسی طرح نصب الرایہ للامام الزیلعی الحنفی میں ہے :

(وَلِلشَّافِعِيَّةِ فِيْ تَخْصِيْصِهِمُ الْقُنُوْتَ بِالنِّصْفِ الْأَخِيْرِ مِنْ رَمَضَانَ حَدِيْثَانِ: الْأَوَّلُ أَخْرَجَهُ ابْنُ دَاؤدَ عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ﷺ جَمَعَ النَّاسَ عَلىٰ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً......الْحَدِيْثُ) . (نصب الرایہ جلد ثانی (ص:۱۶۶) .)

''شافعیہ کے پاس دعاءِقنوت کورمضان شریف کے نصفِ ثانی کے ساتھ خاص کرنے کی دودلیلیں ہیں: پہلی دلیل ابوداؤدمیں ہے،حضرت حسن بصری رحمۂ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کوحضرت ابیّ رضی اللہ عنہ کی امامت میں نمازِتراویح پڑھنے پرجمع کیااوروہ لوگوں کوبیس راتیں نماز پڑھاتے تھے...الخ'' .

نیزمختصرسنن ابی داؤدللحافظ المنذری میں ہے :

(وَعَنِ الْحَسَنِ وَ هُوَ الْبَصْرِيُّ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ﷺ جَمَعَ النَّاسَ عَلىٰ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ لَهُمْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً...الخ (مختصرسنن ابی داؤدللحافظ المنذری جلد ثانی (ص:۱۲۵) .)

''اورحضرت حسن بصری رحمۂ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کوحضرت ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھنے پرجمع کیاتووہ انھیں بیس راتیں نماز (تراویح) پڑھاتے تھے'' .

معلوم ہوناچاہیئے کہ مختصرسنن ابی داؤدامام منذری کی کتاب ہے،جس میں امام موصوف نے سنن ابی داؤدکی تلخیص فرمائی ہے،یعنی ابوداؤدکے متونِ حدیث کوبحذفِ اسانیدذکرفرمایاہے،ان تینوں بزرگوں کی کتب سے منقولہ عبارات سے واضح ہوجاتاہے کہ اصل حدیث میں [لَيْلَةً] ہی ہےاورانہوں نے یاان کےعلاوہ کسی دوسرے بزرگ نے کہیں بھی لفظ [رَكْعَةً] کااشارہ نہیں کیا، اسی قسم کےحوالے بہت سے دیئے جاسکتے ہیں،لیکن اختصارکے لئے انہی پراکتفاءکیاجاتاہے .

تیسری شہادت :

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو امام ابو داؤد ہی کے واسطہ سے اپنی کتاب السنن الکبریٰ میں مسنداً روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :

(أَنبَـأَنَا أَبُوْ عَلِيٌّ الرُّوْذَبَارِيُّ أَنَا أَبُوْ بَكْرِ بْنِ دَاسَةَ ثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ ثَنَا شُجَاعُ بْنُ مُخَلَّدٍ ثَنَا هُشَيْمُ أَنَـا يُوْنُسُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ﷺ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ، فَكَـانَ يُـصَلِّـى بِهِـمْ عِشْـرِيْـنَ لَيْـلَةً وَلَا يَـقْـنُتُ بِهِمْ اِلَّا فِيْ النِّصْفِ الْبَـاقِيْ فَـاِذَا كَـانَتِ الْعَشْرُ الْأَوَاخِرُ تَخَلَّفَ فَصَلَّى فِيْ بَيْتِهٖ فَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَبِقَ أُبَيٌّ) . (السنن الکبریٰ جلد ثانی (ص ۴۹۸) .)

”ہمیں خبر دی ابوعلی روذ باری نے ، ہمیں خبر دی ابوبکر بن داسہ نے ، ہمیں حدیث بیان کی ابوداؤد نے ، ہمیں حدیث بیان کی شجاع بن مخلّد نے ، ہمیں حدیث بیان کی ہشیم نے ، ہمیں خبر دی یونس بن عبید نے ، اور بتایا کہ حضرت حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابیّ رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نمازِ تراویح پر اکٹھے کیا ، وہ انہیں بیس راتیں نماز پڑھاتے تھے اور صرف نصفِ آخر میں دعاءِ قنوت کرتے تھے ، جب عشرۂ اخیر آتا تو جماعت کروانا بند کردیتے اور اپنے گھر میں نماز پڑھتے اور لوگ کہتے کہ ابیّ بھاگ گئے ہیں“ .

چوتھی شہادت :

روایتِ مذکورہ کے چوتھے جملے یعنی [فَـاِذَا كَانَتِ الْعَشْرُ الْأَوَاخِرُ تَخَلَّفَ] کا آغاز فائے تفریع وترتیب سے ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جملہ دوسرے جملے یعنی [فَكَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً] پر مرتّب ہے اور یہ ترتیب اس وقت صحیح ہوسکتی ہے جب اس جملہ میں لفظ [لَيْـلَةً] ہی ہو ، اگر اس جملہ میں لفظ [رَكْـعَةً] ہو تو پھر ترتیب اور تفریع صحیح نہیں رہتے اور باوجود فائے تفریعیہ کے یہ عبارت بے جوڑ سی بن جاتی ہے [كَـمَا لَا يَخْفَىٰ عَلٰى مَنْ لَهٗ أَدْنىٰ مُمَارَسَةٍ بِالْعَرَبِيَّةِ] .

پانچویں شہادت :

مولانا خلیل احمد صاحب حنفی سہارن پوری نے اپنی مشہور کتاب بذل المجھود فی حل ابی داؤد میں اس حدیث کو جب بغرضِ شرح لکھا ہے تو لفظ [لَيْــلَةً] ہی کو ذکر کیا ہے اور اِسی پر اپنی شرح کی بنیاد رکھی ہے، ان کی عبارت یہ ہے :

(فَكَانَ أُبَيٌّ يُصَلِّي لَهُمْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَلَا يَقْنُتُ بِهِمْ اِلَّا فِيْ النِّصفِ الْبَاقِيْ،الظَّاهِرُ أَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْبَاقِيْ الْعُشْرُ الْأَوْسَطُ كَأَنَّهٗ لَا يَقْنُتُ اِلَّا فِيْ الْعَشَرَةِ الثَّانِيَةِ وَأَمَّا الْعَشَرَةُ الثَّالِثَةُ فَيَتَخَلَّفُ فِيْهَا فِيْ بَيْتِهٖ وَيَتَفَرَّدُ عَنِ النَّاسِ فَاِذَا كَانَتِ الْعَشْرُالْأَوَاخِرُ تَخَلَّفَ أُبَيٌّ عَنِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْ بَيْتِهٖ وَكَانُوْا أَيِ النَّاسُ يَقُوْلُوْنَ اَبِقَ أَيْ فَرَّ فَهَرَبَ أُبَيٌّ).

''حضرت ابیؓ رضی اللہ عنہ لوگوں کو بیس راتیں نماز پڑھاتے اور دعاءِ قنوت صرف نصفِ اخیر میں ہی کرتے تھے، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نصفِ اخیر [یا نصفِ باقی] سے مراد عشرۂ وُسطیٰ ہے گویا وہ صرف عشرۂ وُسطیٰ میں دعاءِ قنوت کرتے تھے، رہا عشرۂ اخیرہ تو اس میں وہ جماعت کرانا ہی چھوڑ جاتے تھے اور لوگوں سے الگ تھلگ اپنے گھر میں اکیلے نماز پڑھتے تھے، جب عشرۂ اخیرہ آتا تو وہ مسجد سے الگ ہوجاتے اور اپنے گھر میں تراویح پڑھتے تو لوگ کہتے کہ ابیؓ بھاگ گئے ہیں ''.

اس عبارت سے واضح ہے کہ مولانا نے دوسرے علماء کے خلاف نصفِ باقی سے بیس راتوں کا آخری نصف یعنی درمیانہ عشرہ مراد لیا ہے' حالانکہ باقی علماء نے بالخصوص شوافع نے النصف الباقی سے رمضان کا آخری نصف مراد لیا ہے اور مولانا کا یہ مراد لینا تب صحیح ہوسکتا ہے کہ جب لفظ [عِشْرِيْنَ لَيْلَةً] کا ہو، اگر لفظ [عِشْرِيْنَ رَكْعَةً] کا ہو تو پھر اسکا نصفِ باقی تو آخری دس رکعتیں ہوں گی نہ کہ رمضان کا درمیانہ عشرہ اور غالبًا مولانا نے یہ توجیہہ اس لئیے کی ہے کہ شوافع کا مذہب ہے کہ قنوت الوتر رمضان کے نصفِ آخر کے ساتھ خاص ہے ، اور وہ لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اب اس توجیہہ سے یہ حدیث ان کا مستدل نہیں بن سکے گی ، بہر حال اس کی

توجیہہ کچھ بھی کیوں نہ ہو، مولانا نے اس لفظ کو[عِشْـــــرِیْـــــنُ لَیْـلَۃً]ہی قرار دیا ہے [رَکْعَۃً]نہیں ۔

پھر یہ بات بھی زیرِ غور رہنی چاہیئے کہ امام ابوداوٗد کی سنن کے نسخہ جات جو آپ کے شاگردوں نے آپ سے نقل کئے متعدّد ہیں، جن میں سے زیادہ متعارف تین ہیں، ابوعلی لوٗلوٗی کا نسخہ جو ہمارے بلاد میں مطبوع ہے اور ابن داسہؒ کا، اور ابن الأعرابیؒ کا، اِن نسخوں میں اختلافات ہیں، کہیں اختلافاتِ لفظی اور کہیں الفاظ کی کمی بیشی یا روایات کی کمی زیادتی، اور ان اختلافاتِ نُسخ کو بالعموم شُرّاح نے بیان کردیا ہے اور خصوصاً مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی، جیسا کہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تحت السرّۃ والی حدیث کو ابنُ الأعرابی کے نسخہ سے نقل فرمادیا ہے، ان کی عبارت یہ ہے :

(وَاعْـلَـمْ أَنَّـهٗ كَتَـبَ هٰهُـنَـا عَلىٰ الْحَاشِيَةِ أَحَادِيْثَ مِنْ رِوَايَةِ ابْنِ الْأَعْرَابِيِّ فَيُنَاسِبُ لَنَا أَنْ نَّـذْكُـرَهَـا،ثَـنَـا مُـحَـمَّدُ بْنُ مَحْبُوْبٍ الْبَنَانِيِّ بِنُوْ نَيْنِ أَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ الْبَصْرِيُّ قَالَ ثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَـاثٍ عَـنْ عَبْـدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اِسْحٰقِ الْوَاسِطِيِّ أَبُوْ شَيْبَةَ ضَعِيْفٌ عَنْ زِيَادِ بْنِ زَيْدِ السُّوَائِيِّ الْأَعْـصَـمِ بِمُهمَلَتَيْنِ الْكُوْفِيِّ مَجْهُوْلٌ عَنِ أَبِيْ جُحَيْفَةَ وَهَبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ السُّوَائِيِّ بِضَمِّ الْمُهْمَلَةِ وَالْـمَـدِّ يُكَنِّيْهِ صَحَابِيٌّ مَعْرُوْفٌ صَحِبَ عَلِيًّا ، أَنَّ عَلِياًّ رضي الله عنه قَالَ: مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْكَفِّ عَلىٰ الْكَفِّ فِيْ الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ .

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاؤدَ وَ قَالَ الشَّوْكَانِيُّ الْحَدِيْثُ ثَابِتٌ فِيْ بَعْضِ نُسَخِ أَبِيْ دَاؤدَ وَهِيَ نُسْخَةُ ابْنِ الْأَعْرَابِيِّ وَلَمْ يُوْجَدُ فِيْ غَيْرِهَا...... الخ).(بذل المجہود جلد ثانی (ص:۲۳) .)

ور یہ بات بھی علم میں رہے کہ انھوں نے حاشیہ میں اس مقام پر ابن الأعرابی سے کئی احادیث لکھی ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ذکر کردیں .رواۃِ سند کے اسماء اور انکے صحیح ضبط کے بعد کہتے ہیں کہ

:حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنت یہ ہے دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی کے اوپر، ناف کے نیچے باندھا جائے.

اس حدیث کو امام احمد و ابوداؤد نے روایت کیا ہے، امام شوکانی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابوداؤد کے بعض نسخوں میں موجود ہے، یعنی ابن الأعرابی کے نسخہ میں موجود ہے اور اسکے علاوہ دوسرے کسی نسخہ میں نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو کہ کس طرح مولانا نے اس مقام پر دوسرے نسخے کی روایت اس جگہ بیان فرما کر اس کی شرح بھی کر دی اور اپنے دلائلِ متعلقہ تحت السرّۃ میں اس کو بھی پیش کر دیا، اب اگر حضرت ابیؓ کی حدیث میں بھی نسخوں کا اختلاف ہوتا اور کہیں بھی لفظ[رَکْعَةً] کا وجود ہوتا تو مولانا اپنے استدلال کی خاطر اس کا ذکر فرماتے اور اپنے مستدلات میں ایک دلیل بڑھا لیتے، حالانکہ بیس (۲۰) رکعات ثابت کرنے کے لئے انھوں نے علاّمہ نیموی کی کتاب آثار السنن میں سے وہ روایتیں نقل کر دی ہیں جن کے جوابات کئی بار علمائے حدیث دے چکے ہیں لیکن اس روایت کے بارے میں اشارہ تک نہیں فرمایا، ان مذکورہ بالا شواہد سے واضح ہو جاتا ہے کہ اصل لفظ[عِشْرِيْنَ لَيْلَةً]ہی ہے اور اس کو[عِشْرِيْنَ رَكْعَةً] بنانا تحریف ہے.

<u>یہ تحریف کب ہوئی؟ کس نے کی؟ اور کیوں کی؟:</u>

ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ ہند میں ۱۳۱۸ھ تک جتنے نسخے سنن کے مطبوع ہوئے ان سب کے سب میں[عِشْرِيْنَ لَيْلَةً]ہی مطبوع ہے اور کسی قسم کا کوئی اشارہ نسخوں کے اختلاف کا نہیں ہے، البتہ جب مولانا محمود حسن کے حواشی کے ساتھ سنن کو چھپوایا گیا تو ناشرین نے خود یا کسی کے مشورہ سے متن میں [لَيْلَةً]اور اس کے اُوپر[ن] کا نشان دے کر حاشیہ پر[رَكْعَةً]لکھ دیا، اس کے بعد جب مولانا فخر الحسن کے حواشی کے ساتھ طبع کرایا گیا تو اس کے متن میں[رَكْعَةً]لکھا اور اس کے اُوپر[ن] کا نشان دے کر

حاشیہ پر[لَیۡلَۃً]لکھ دیا، تاکہ یہ تأثر عام ہوجائے کہ یہاں نسخوں کا اختلاف ہے، اسی طرح بذل المجھود کے ساتھ سنن ابی داؤد کی طبع کے وقت متن میں[لَیۡلَۃً]لکھا اور اُوپر[ن] کا نشان دے کر حاشیہ پر[رَکۡعَۃً]لکھا، اوراس کے ساتھ یہ عبارت لکھ دی [**کذا في نسخة مقرؤة على الشيخ مولانا محمد اسحاق رحمه الله**] بغیر اس وضاحت کے کہ یہ عبارت کس کی ہے؟ اس نسخہ کو کس نے دیکھا تھا اور کہاں دیکھا تھا اور اب وہ نسخہ کہاں ہے؟ یادرہے کہ یہ عبارت مولانا کی شرح کی عبارت میں نہیں بلکہ اصل کتاب یعنی سنن ابی داؤد کے حاشیہ پر لکھی گئی ہے، پس یہ عبارت مجہول القائل ہونے کی بناء پر نا قابلِ اعتماد ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس پوری کی پوری کاروائی سے یہ تاثّر دینا مقصود تھا کہ سنن ابی داؤد کے بعض نسخوں میں [عِشۡرِیۡنَ رَکۡعَۃً] موجود ہے تاکہ اس حدیث کو بیس (۲۰) رکعاتِ تراویح کے ثبوت میں پیش کیا جاسکے، لیکن شواہد کے ہوتے ہوئے اس کاروائی کو ایک قسم کی تدلیس اور تلبیس نہ سمجھا جائے تو کیا کہا جائے؟ اگر کوئی کم فہم یہ شبہہ پیدا کرنے کی کوشش کرے کہ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ایسے علماء کے نام پر اور انکے حواشی کے ساتھ کتابیں چھپوائی جائیں اور ان کتابوں میں ایسی تحریف کی جائے اور وہ خود یا ان کے شاگرد جو بڑے بڑے علماء ہیں اس پر خاموش رہیں، یہ کیسے ممکن ہے؟ تو اُنہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ ممکن اور ناممکن کی بحث بے فائدہ ہے، دنیا میں اس سے بڑی اَن ہونی باتیں ہوچکیں اور آج تک موجود ہیں اور کسی کو بھی سوائے زبانی باتوں کے ان کی اصلاح کی توفیق نہیں ملی، حضرت مولانا محمود الحسن صاحب سے کون واقف نہیں اور ان کی کتاب ایضاح الادلّہ کو کون نہیں جانتا جو مولانا نے ایک اہلحدیث عالم کے جواب میں لکھی، جب کہ اس عالم نے ردِّ تقلید پر آیۃ ﴿ **فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِيۡ شَيۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيۡرًا وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا** ☆﴾ سے استدلال کیا تو مولانا نے اس کا جواب دیا اور اپنے خیال میں اس کے جواب میں ایک آیت بھی لکھ دی اور اسی اپنی پیش کردہ آیت کو مستدل بنایا۔ لیکن اس آیت کا موجودہ کلامِ مجید میں کہیں بھی وجود نہیں، وہ لکھتے ہیں:

’’اب اس سے صاف ظاہر ہے کہ فی الحقیقت حکم تو حکمِ خداوندی ہے اور منصبِ حکومت انبیائے کرام علیہم السلام وامام وقاضی وآئمۂ مجتہدین یادیگراُولوالامر عطائے خداوندِمتعال بعینہٖ اس طرح پر ہوگا، جیسے منصبِ حکم، حکّامِ ماتحت کے حق میں عطائے حکّام بالا دست ہوتا ہے اور جیسے اطاعتِ حکّام ِماتحت سراسر اطاعتِ حکامِ بالا دست سمجھی جاتی ہے، اسی طرح پر اطاعتِ انبیائے کرام علیہم السلام و جملہ اُولی الامر بعینہٖ اطاعتِ خداوند جلّ جلالہٗ خیال کی جائے گی اور متّبعین انبیائے کرام اور دیگر اولی امر کو خارج از اطاعتِ خداوندی سمجھنا ایسا ہوگا جیسا متّبعین احکامِ حکّامِ ماتحت کو کوئی کم فہم خارج از اطاعت ِحکّامِ بالا دست کہنے لگے یہی وجہ ہے کہ یہ ارشاد ہوا : ﴿ فَـاِنْ تَـنَـازَعْتُـمْ فِـي شَـيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلىٰ اللّٰـهِ وَالرَّسُوْلِ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ☆﴾

ظاہر ہے کہ اولی الامر سے مراد اس آیت میں سوائے انبیاء کرام علیہم السلام اور کوئی ہیں، سو دیکھیئے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضراتِ انبیاء و جملہ اُولوالامر واجب الاتّباع ہیں، آپ نے آیت : ﴿فَـرُدُّوْهُ اِلَىٰ اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ☆﴾ تو دیکھ لی اور آپ کو یہ اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآنِ کریم میں یہ آیت ہے، اُسی قرآن میں آیتِ مذکورہ بالا معروضۂ احقر بھی موجود ہے، عجب نہیں کہ آپ دونوں آیتوں کو حسبِ عادت متعارض سمجھ کر ایک کے ناسخ اور دوسری کے منسوخ ہونے کا فتویٰ لگانے لگیں‘‘، انتہی۔’’**ایضاح الأدلة** ‘‘(ص:۹۷) ۔

سابقہ عبارت کو غور سے دیکھا جائے کہ مولانا مرحوم کس طرح اہلحدیث عالم کی پیش کردہ آیت: ﴿فَـرُدُّ وْهُ اِلىٰ اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِن كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ☆﴾ کے مقابلہ میں ایک دوسری آیت پیش کر رہے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں: ﴿ فَـاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّ وْهُ اِلىٰ اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ وَأُوْلِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ☆﴾ اور کس طرح اس عالم اہلحدیث پر پھبتی کستے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ آیت تو دیکھ لی لیکن یہ دوسری آیت معروضۂ احقر کا آپ کو اب تک پتہ نہیں چلا، اب سوال

یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دوسری آیت جس کا تعارف مولانا آیتِ مذکورہ بالا معروضۂ احقر کے الفاظ سے کرارہے ہیں، قرآن مجید کے کس پارہ میں ہے؟ یہ کتاب مولانا کے نام پر چھپی اور غالبًا آپ کی زندگی میں چھپی اور آپ کے شاگردوں نے جو بڑے بڑے علماء تھے دیکھی، کیا کسی کو توفیق ملی کہ اس کی اصلاح کرے، اگر یہ ناممکن سی بات وجود میں آسکتی ہے تو پھر اس قسم کی کسی بھی کوتاہی کو جو کسی سے بھی سرزد ہو، ناممکن نہیں کہا جاسکتا اور اس قسم کی کوتاہیوں کی کوئی توجیہہ نہیں ہوسکتی سوائے اسکے کہ :

'' **الْعِصْمَةُ لِلّٰهِ وَ لِرَسُوْلِهٖ خَاصَّةً** ﷺ '' (ہفت روزہ الاعتصام بابت ۲۳ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ بمطابق ۸ جولائی ۱۹۸۸ء .)

حکیم مولانا محمد اشرف صاحب سندھو ؒ کی تحقیقیات کا خلاصہ :

کتبِ حدیث میں تغیّر وتبدّل کے سلسلہ میں ہی حکیم مولانا محمد اشرف صاحب سندھو ؒ نے بھی اپنی کتاب نتائج التقلید میں بڑی تفصیل ذکر کی ہے، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں :

'' سنن ابی داؤد ایسی مشہور ومعروف اور مستند درسی کتاب جو صحاح ستہ کا جزء شمار کی جاتی ہے، اس میں نماز ِتراویح باجماعت کا ابتدائی واقعہ بلفظ یوں مروی ہے :

(عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ﷺ جَمَعَ النَّاسَ عَلیٰ أُبَيِّ بْنَ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ عِشْرِيْنِ لَيْلَةً وَلَا يَقْنُتُ بِهِمُ الْحَدِيْثِ ....)۔ (سنن ابوداؤد باب القنوت في الوتر مطبوعہ مصر ابوداؤد مطبوعہ قادری دہلی ۱۲۷۲ء جلد اوّل (ص:۲۰۱)، ابوداؤد مطبوعہ محمدی دہلی ۱۲۶۴ء جلد اوّل (ص:۲۰۳) .)

'' حضرت حسن بصری رحمہٗ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر اکٹھے کیا، وہ انھیں بیس راتیں تراویح پڑھاتے اور دعاءِ قنوت نہیں کرتے تھے، سوائے ...)).

الغرض دنیا بھر کے مطبوعہ اور قدیم قلمی نسخوں میں یہ حدیث [**عِشْرِيْنَ لَيْلَةً**] ہی کے لفظ سے منقول

ہے، نہ صرف یہی بلکہ علاّمہ ولی الدین رحمۂ اللہ ایسے مشہور محدّث نے مشکوٰۃ المصابیح میں بھی یہ حدیث ابوداوٗد کے نام سے [عِشْـرِيْـنَ لَيْلَةً] ہی کے لفظ سے نقل کی ہے، چنانچہ مشکوٰۃ شریف کے جمیع قلمی اور تمام مطبوعہ نسخوں میں یہ حدیث اِسی لفظ سے پائی جاتی ہے، ملاحظہ ہو: مشکوٰۃ مطبوعہ نور محمد حنفی نقش بندی (ص:۱۱۴) باب قنوت فی الوتر فصل ثالث ، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح مطبوعہ مصر(ص:۱٦۷) فصل ثالث، اشعۃ اللّمعات شرح المشکوٰۃ، باب قنوت فی الوتر فصل ثالث .

پہلا حملہ :

(شیخ الہند مولوی) محمود الحسن صاحب نے سنن ابوداوٗد مطبوعہ مجتبائی دہلی کی تصحیح کرتے وقت اس حدیث کے متن میں تو لفظ [عِشْرِيْنَ لَيْلَةً] ہی رہنے دیا، لیکن تصدیق وتائیدِ حنفیت کے لئے [لَيْلَةً] پر نسخہ کا نشان دے کر حاشیہ میں یوں لکھا : [رَكْعَةً] كَذَا فِيْ نُسْخَةٍ مَقْرُوْءَةٍ عَلَى الشَّيْخِ مَوْلَانَا مُحَمَّد اِسْحٰق رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى . (ابوداوٗد جلد اوّل (ص:۲۱۹) .)

دوسرا حملہ :

مولوی خلیل احمد صاحب سہارن پوری نے شیخ الہند کی تصحیح کردہ ابوداوٗد کو پسند کرتے ہوئے بذل المجہود فی حل ابی داوٗد اس پر لکھی ہے، اور باب قنوت فی الوتر کی حدیث [عِشْـرِيْـنَ لَيْلَةً] کے متن اور حاشیہ کو اُسی طرح بحال رکھتے ہوئے خاموشی اختیار کی ہے، یعنی متنِ ابوداوٗد میں تو [عِشْرِيْنَ لَيْلَةً] ہی رکھا اور حاشیہ پر لکھ دیا [رَكْعَةً] كَذَا فِيْ نُسْخَةٍ مَقْرُوْءَةٍ عَلَى الشَّيْخِ مَوْلَانَا مُحَمَّد اِسْحٰق رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ملاحظہ ہو: بذل المجہود (ص:۳٦۸)، گویا آنے والی نسلوں کو دھوکا دیا ہے کہ سنن ابی داوٗد میں [عِشْـرِيْنَ لَيْلَةً] اور [عِشْرِيْنَ رَكْعَةً] دونوں طرح آیا ہے، حضرت شیخ محمد اسحاق محدّث دہلوی کے درس پر افتراء کی حقیقت کو جاننے کے لیئے حضرت شیخ کے خاص حنفی تلامذہ سے مولانا علی احمد صاحب سہارن پوری رحمۂ اللہ جو خاص طور پر حضرت شیخ کے درس کا حوالہ ذکر کرنے کے عادی ہیں، انکے حاشیہ کا دیکھ لینا ضروری

ہے۔چنانچہ صحیح بخاری[باب اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃ]کےحاشیہ میں بغیر اپنی تحقیق کیئے صرف حضرت شیخ الہند کے قول سے[اِلَّا رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ]بیہقی کا حوالہ لکھا ہے،اگر سہارن پوری صاحب رحمہٗ اللہ [رَکْعَۃً]والے نسخہ کا ذکر درسِ شیخ میں سُن پاتے تو اپنے حاشیۂ مشکوٰۃ یا بخاری میں ضرور ذکر کرتے ، اور ایسے ہی حضرتِ شیخ کے دوسرے تلمیذ نواب قطب الدین صاحب نے بھی''مظاہر الحق''میں ذکرنہیں کیا، پھر شیخ کے قریب کے زمانہ میں دو حنفی بزرگوں کی تصحیح سے سنن ابوداؤد کے دو نسخے مطبوع ہیں،ایک قادری دہلوی اور دوسرے محمدی دہلوی تھے،ان میں بھی حنفی بزرگوں نے [رَکْعَۃً]والےنسخہ کا ذکرنہیں کیا، جواس امر کی مجسّم دلیل ہے، کہ یہ سب بعد کی ساخت برداخت ہے .

تیسرا حملہ :

مولوی فخر الحسین اور فیض الحسن صاحبان گنگوہی رکن رکینِ دیوبند دونوں باپ بیٹے نے ابوداؤد مطبوعہ مجیدی کانپور ۱۳۴۵ھ کی تصحیح وحواشی کرتے ہوئے [رَکْعَۃً] کومتنِ حدیث میں لکھ کر اصل پر[نسخہ] کا نشان دیتے ہوئے حاشیہ میں[لَیْلَۃً]کونسخہ قرار دے دیا، ملاحظہ ہو:ابوداؤد(ص:۲۰۲)مع حاشیہ تعلیق المحمود جلداول مطبوعہ مجیدی کانپور .

چوتھا حملہ :

چوتھے شہسوار نے ابو داؤد مطبوعہ نولکشور کی تصحیح کرتے ہوئے پہلے تینوں سے بڑھ چڑھ کر جو ہریوں دکھائے کہ[عِشْرِیْنَ لَیْلَۃً]کومتنِ حدیث میں ہی[عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً]کردیا، ملاحظہ ہو:ابوداؤد(ص:۲۰۳) مطبوعہ نولکشور .

دعوائے اجماع اور اسکی حقیقت :

بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بیس رکعاتِ تراویح پر اجماع ہوگیا تھا اور پھر تمام شہروں میں اسی پر عمل برقرار رہا جیسا کہ علامہ عینی نے عمدۃ القاری

(۱۷۸/۷/۴) میں علاّمہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۷۲/۳) میں اور ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ (۱۷۵/۲) میں ذکر کیا ہے۔

علاّمہ مبارکپوری کی تحقیق :

جبکہ علاّمہ مبارکپوری لکھتے ہیں کہ یہ دعویٰ سخت باطل ہے، کیونکہ خود علاّمہ عینی نے عمدۃ القاری میں کہا ہے کہ عددِ رکعاتِ تراویح کے بارے میں بکثرت اقوال پائے جاتے ہیں اور امام مالک رحمہٗ اللہ نے کہا ہے کہ واقعہ حرہ سے پہلے یعنی تقریباً ایک سو اور چند سال سے زیادہ عرصہ سے لیکر آج تک مدینہ منورہ میں اڑتیس رکعاتِ تراویح اور ایک رکعت وتر پر عمل ہوتا آرہا ہے، جبکہ خود اپنے لیئے امامِ دارالہجرہ حضرت امام مالک رحمہٗ اللہ نے گیارہ رکعتیں اختیار فرمائیں۔اور معروف فقیہہ اسود بن یزید چالیس رکعاتِ تراویح اور سات رکعاتِ وتر پڑھا کرتے تھے۔اور ان کے علاوہ باقی اقوال بھی پیشِ نظر رکھیں جو علاّمہ عینی نے ذکر کیئے ہیں (جنکے بارے میں اس موضوع کے شروع میں اشارہ کیا جا چکا ہے)۔

اب ان سب اقوال کو پیشِ نظر رکھ کر ہمیں کوئی بتائے کہ بیس تراویح پر اجماع کہاں ہوا؟ اور تمام شہروں میں اس پر عمل برقرار کیسے رہا؟ (تحفۃ الاحوذی ۵۳۱/۳۔۵۳۲) .

شیخ البانی کا نظریہ :

علاّمہ مبارکپوری کے اس اجماع کو سخت باطل قرار دینے کا تذکرہ کرنے کے بعد شیخ البانی لکھتے ہیں کہ اسکی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اگر اجماع کا یہ دعویٰ صحیح ہوتا تو متاخرین فقہاء اسکی مخالفت نہ کرتے حالانکہ تراویح کے بارے میں آٹھ سے کم اور زیادہ دونوں قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں لہٰذا صرف کسی کتاب میں اجماع کا ذکر کردینے سے اجماع ثابت نہیں ہوجاتا اور پھر جب کسی ایسے اجماع کی حقیقت معلوم کرنے کیلئے جستجو کی جاتی ہے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اجماع کے بارے میں ایسے اکثر دعوے غلط ہیں مثلاً بعض لوگ تین رکعات وتر پر اجماع کے مدعی ہیں حالانکہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے

ایک وتر پڑھنا بھی ثابت ہے ۔(نمازِ تراویح ص:۷۹ اردو،ص:۷۲ عربی)

نواب صدیق حسن خاں کا ارشاد :

اجماع کے متعلق علاّمہ نواب صدیق حسن خاں (والیٔ ریاست بھوپال) صحیح مسلم کی شرح السراج الوھاج کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں :

اجماع کا ذکر کرنے میں بہت زیادہ سہل انگاری سے کام لیا گیا ہے۔ جو شخص فقہی مذاہب سے معمولی واقفیّت رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ فقہی مذاہب کے پیروکار اس خیال میں مبتلا ہیں کہ فلاں مذہب کے پیروکار جس مسئلہ پر متفق ہو چکے ہیں انکا وہ اتفاق گویا اجماع ہے۔ میرے نزدیک اس قسم کا خیال بہت ہی فاسد ہے۔ نتیجتاً معمولی بصیرت رکھنے والا کوئی شخص جب دیکھے گا کہ فلاں کام عوام میں رواج پذیر ہے تو وہ اس پر اجماع کی چھاپ لگانے کی کوشش کرے گا ، اگرچہ اسکے اس غلط فعل سے مخلوق الٰہی کو عظیم خطرات سے ہی کیوں نہ دوچار ہونا پڑے۔ کسی دلیل کی روشنی میں تو اس قسم کا فیصلہ عوام الناس پر ٹھونسا جاسکتا ہے، لیکن اکثر وپیشتر دیکھا گیا ہے کہ دعوائے اجماع میں حزم واحتیاط کوملحوظ خاطر نہیں رکھا جاتا بلکہ مشہور چار فقہی مکاتبِ فکر جس مسئلہ میں متفق الرائے ہوں وہ اس اتفاق کو اجماع سے تعبیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ متاخرین علماء میں سے امام نووی اور ایسے ہی بعض دیگر علماء دعوائے اجماع کے معاملے میں غیر محتاط ہیں۔ صحیح مسلم پر انکی شرح میں اسکی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

لیکن یاد رہے کہ محقّقین علماء ایسے اجماع کو حجّت نہیں مانتے کیونکہ مذاہبِ اربعہ کے وجود میں آنے سے پہلے والے تین زمانوں کو خیر القرون قرار دیا گیا ہے اور آئمہ اربعہ کا دور خیر القرون نہیں ہے۔ اور پھر انکے دور میں بھی انکے علاوہ کتنے ہی کبار اہلِ علم موجود تھے جو کہ درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ اور پھر انکے دور سے لیکر دورِ حاضر تک ہر عہد میں مشہور اہلِ علم وفضل موجود رہے ہیں جو کہ اجتہاد واستنباط کی دولت سے بہرہور بھی تھے اور اس حقیقت سے کوئی بھی منصف مزاج شخص انکار نہیں کرسکتا اگرچہ دورِ حاضر میں راہِ

اعتدال اختیار کرنا اور انصاف کی بات کہنا کارے دارد۔

غرض کسی مسئلہ میں صرف آئمہ اربعہ کے اتفاق کر لینے کو اجماع قرار دینا ان آئمہ و اہلِ علم کے ساتھ نا انصافی ہے جو کہ خود اُن آئمہ اربعہ کے عہد میں علمی جاہ و جلال رکھتے تھے اور انکے علم و فضل کا طنطنہ چار دانگِ عالم میں پھیلا ہوا تھا۔

(مقدمہ السراج الوہّاج فی کشف مطالب صحیح مسلم ابنِ الحجّاج ۱/۳، بحوالۂ بالاص:۷۹۔۸۰،ص:۲۷۔۳۷ عربی)

امامِ شوکانی کا نقطۂ نظر :

عموماً جب بعض کتب میں ''اجماع'' کی بحث کو دیکھا جاتا ہے تو قاری اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ جس نے اجماع کو نقل کیا ہے اسے اس مسئلہ میں اختلاف کا علم ہی نہیں ہوسکتا اور ظاہر ہے کہ ناقل کے عدمِ علم سے اختلاف کا عدمِ وجود تو ہرگز لازم نہیں آتا، زیادہ سے زیادہ اُس اجماع کو ظن کے ساتھ تعبیر کیا جاسکتا ہے اور ظن کو اجماع کی دلیل قرار دینا صحیح نہیں جبکہ ظن حجّت ہی نہیں اور اجماع حجّت ہے لہٰذا کسی ایک شخص کے ظن سے پوری امّت کو کسی فعل کا پابند کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ المختصر جس اجماع کی بنیاد ظنی قضایا پر پراستوار ہوگی ایسے اجماع کو ٹھکرانے میں کسی پس و پیش سے ہرگز کام نہ لیا جائے جبکہ جمہور علماء اصول کا کہنا ہے کہ اجماع میں اخبارِ آحاد کو بھی شرف قبولیّت سے نہیں نوازا جائیگا۔ (بحوالہ نمازِ تراویح ص: ۸۰۔۸۱، ملخصاً ۳۷۔۴۷ عربی، وبل الغمام حاشیہ شفاء الاوام للشوکانی)

اس موضوع کی تفصیل التقریب للقاضی، حصول المامول للشوکانی، دلیل الطالب للنوّاب اور احکام الاحکام لابن حزم وغیرہ کتب میں دیکھ سکتے ہیں۔

خلاصۂ کلام :

سابقہ گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ بیس تراویح پر اجماع کا دعویٰ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور اس عدد پر استمرار و دوام کا دعویٰ بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ گیارہ رکعتیں

(آٹھ تراویح تین وتر) ہی ثابت ہیں اور بیس کی تمام روایات ضعیف و نا قابل حجّت ہیں۔

پھر امّت کے اجماعی مسائل کو جمع کرنے والے قدیم عالم امام ابن المنذر (۳۱۸ھ) نے اپنی کتاب الاجماع میں اسکا ذکر تک نہیں کیا (دیکھیئے: الاجماع بتحقیق ڈاکٹر صغیر احمد، طبع دار طیبہ الریاض)

البتہ موسوعۃ الاجماع فی الفقہ الاسلامی کے شامی مؤلف شیخ سعدی ابوحبیب نے حال ہی میں جو یہ کتاب (۱۳۹۴ھ، ۱۹۷۴ء میں) مرتب کی تو انہیں المغنی ۱۳۹/۲ اور بدایۃ المجتہد ۲۰۲/۱ کے حوالہ سے لکھ دیا کہ نمازِ تراویح بیس رکعتیں ہے اور یہ حضرت عمرؓ کا عمل ہے اور انکے عہدِ خلافت میں صحابہ کرامؓ کا اسی عدد پر اجماع ہو گیا تھا۔ (موسوعہ الاجماع ۶۵۵/۱ طبع دار العربیہ بیروت)۔

جبکہ اس دعوے کی حیثیت متعین کرنے کیلئے تفصیل ہم نے ذکر کر دی ہے، اسکی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا بہت آسان ہے کہ اس دعویٰ کے وقت حزم و احتیاط سے کام نہیں لیا گیا بلکہ یہ سراسر جلد بازی کا نتیجہ ہے ورنہ صحیح الاسناد آثار سے عہدِ فاروقی میں اور خصوصاً حضرت عمر فاروقؓ کا ارشاد گیارہ رکعتوں کی دلیل ہے اور مرفوع احادیث اس پر مستزاد ہیں جن سے گیارہ رکعتوں کا ہی ثبوت ملتا ہے تو پھر بیس پر اجماع کا دعویٰ چہ معنیٰ دارد؟

مؤلفِ موسوعہ کو چاہیئے تھا کہ اس اجماع کو اگر نقل کیا ہی تھا تو پھر اس پر بھی اُسی طرح تعلیق و حاشیہ چڑھا دیتے جیسا انھوں نے اسی جلد اول ص: ۶۶۹ پر مدرکِ رکوع کی رکعت کے سلسلہ میں چڑھایا ہے کہ جب کتنے ہی کبار آئمہ و فقہاء (جن میں سے بعض کے انھوں نے نام لکھے ہیں اور بعض کی طرف اشارہ کیا ہے) مدرکِ رکوع کی رکعت کو نہیں مانتے تو پھر رکعت شمار کرنے پر اجماع کا دعویٰ کرنے والوں پر بھی تعجب ہے۔ اس طرح براءتِ ذمہ اور علمی امانت کی ادائیگی ہو جاتی اور بیس تراویح پر اجماع کی قلعی بھی کھل جاتی۔ اور ص: ۶۵۶، ۶۵۸، ۶۶۰، ۶۶۵ پر ہی بس نہیں بلکہ شروع کتاب سے لیکر دونوں جلدوں کے ساڑھے بارہ سو صفحات پر سینکڑوں ایسی تعلیقات موجو ہیں، لیکن شاید کوئی ذہنی تحفّظ تراویح کے مسئلہ

پر تعلیق چڑھانے سے مانع رہا ہو۔ و اللہ من وراء القصد

ایسے ہی اجماع کے دعوؤں کے پیشِ نظر امام احمد بن حنبل رحمۂ اللہ المعروف بہ امام اہل السنّۃ نے فرمایا تھا:

(ممن ادّعیٰ الاجماع فقد کذب و ما یدریه و الناس قد اختلفوا)۔

(بحوالہ موسوعۃ الاجماع، مقدمہ ص:۲۹)۔

''جس نے کسی مسئلہ پر اجماع کا دعویٰ کیا اس نے جھوٹ بولا۔ اسے کیا معلوم ہے کہ کہیں اہلِ علم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہو''۔

اور اس سے ملتے جلتے خیالات ہی امام شافعی رحمۂ اللہ کے بھی ہیں۔ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالیٰ

اسی طرح کے بعض دیگر آثار بھی پیش کئے جاتے ہیں جن سے بیس تراویح ثابت کی جاتی ہیں بلکہ بعض کی رُو سے تو اس پر اجماع کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے جبکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور وہ آثار ضعیف ہیں اور ان میں صحیح بخاری و مسلم کی مرفوع احادیثِ رسول ﷺ کے مقابلہ کی تاب نہیں ہے۔

<u>مسئلہ تراویح اور سعودی علماء و مشائخ :</u>

بعض لوگ سعودی عرب کے کسی عالمِ کے کسی قول وعمل کو بنیاد بنا کر یہ رٹ لگانا شروع کر دیتے ہیں کہ سعودی علماء بھی بیس تراویح کے قائل و فاعل ہیں۔ جبکہ یوں ''سعودی علماء'' کا اطلاق ہرگز درست نہیں، بلکہ سعودی عرب کے ہزار ہا علماء میں سے صرف چند علماء ایسے ہیں جنھیں اس سلسلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے ، جیسے شیخ عطیہ محمد سالم اور شیخ عبدالعزیز السلمان رحمہما اللہ وغیرہ۔ اور صرف ایک دو علماء کا نام لے کر کوئی کہہ دے کہ ''سعودی علماء'' بھی بیس تراویح کے قائل و فاعل ہیں تو یہ سراسر غلط بات اور مغالطہ دہی ہے کیونکہ سعودی عرب میں رہنے والے لوگ جانتے ہیں کہ معدودے چند علماء کے سوا پورے ملک کی تمام مساجد میں نمازِ تراویح کی امامت کروانے والے آئمہ و علماء صرف گیارہ رکعت ہی پڑھاتے ہیں اور یہ عملِ عام اس بات کی دلیل ہے کہ ''سعودی علماء'' آٹھ تراویح کو ہی سنّت وافضل سمجھتے ہیں، البتہ آٹھ

سے زیادہ کو عام نفل سمجھتے ہوئے پڑھنے سے منع نہیں کرتے ، اور اس بنیاد پر آٹھ سے زیادہ تراویح پڑھنے سے کوئی بھی تو منع نہیں کرتا ، اور اس نظریہ کے مطابق زیادہ پڑھنے والوں پر نکیر نہیں کرنی چاہیئے ۔ البتہ آٹھ سے زیادہ کو ''سنّت'' تصوّر نہیں کیا جا سکتا ۔ بلکہ بقیہ رکعتیں محض نفل کہی جا سکتی ہیں ۔

علّامہ ابن باز رحمہُ اللہ :

سعودی علماء میں سے امامِ عصر علّامہ عبدالعزیز بن عبداللہ ابن باز ؒ کسی تعارف کے محتاج نہیں ۔ انکی سربراہی میں کام کرنے والی دائمی فتویٰ کمیٹی کے فتاویٰ کے مجموعہ میں انکی رائے یوں مرقوم ہے :

(**و الافضلُ ما كان النبی ﷺ يفعله غالباً و هو ان يقوم بثمانِ ركعات يسلّم من كل ركعتين و يوتر بثلاث مع الخشوع و الطمأنينة و ترتيلِ القراءة لما ثبت فی الصحيحين عن عائشةَ رضي الله عنها ......**) ۔ (مجموع فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ ۷/۲۱۲) ۔

''افضل وہ ہے جو نبی ﷺ کا غالب و اکثر عمل تھا کہ ہر شخص آٹھ رکعتیں پڑھے ، ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دے ، اور پھر تین رکعات وِتر پڑھے اور پوری نماز میں خشوع و خضوع ، سکون و اطمینان اور ترتیلِ قرآن ضروری ہے ، چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں یہی [گیارہ رکعتیں ہی] ثابت ہیں ....'' ۔

اور اس سے آگے موصوف نے صحیح بخاری و مسلم والی وہ حدیث بھی ذکر فرمائی ہے جو ہم اس موضوع کے شروع میں [پہلی حدیث کے تحت] ذکر کر آئے ہیں ۔

علّامہ ابن عثیمین رحمہُ اللہ :

سعودی علماء میں سے فقیہہِ عصر علّامہ محمد بن صالح ابن عثیمین سے کون ناواقف ہے ، انھوں نے اپنی مشہور کتاب ''**مجالس شهر رمضان** '' میں لکھا ہے :

''سلف صالحینِ امّت نے نمازِ تراویح و وتر رکعات میں مختلف آراء کا اظہار کیا ہے ۔ کسی نے ۴۱ ، کسی

نے ۳۹، کسی نے ۲۹، کسی نے ۲۳، کسی نے ۱۹، کسی نے ۱۳، کسی نے ۱۱اور کسی نے کچھ اور کہا ہے:

(و ارجحُ هذهِ الاقوال انها احدیٰ عشر او ثلاث عشر لما في الصحيحين عن عائشة رضي الله عنها ......)۔ (مجالس شہر رمضان ص:۱۹)۔

''ان سب اقوال میں سے راجح تر قول گیارہ یا تیرہ رکعتوں والا ہے جسکی وجہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ہے''۔

اس سے آگے علاّمہ موصوف نے وہی حدیث ذکر کی ہے جسکی طرف سابقہ سطور میں اشارہ گزرا ہے اور صحیح بخاری کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث بھی نقل کی ہے جس میں تیرہ رکعتوں کا ذکر آیا ہے اور آگے حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ والا وہ اثر بھی ذکر کیا ہے جسمیں انھوں نے دوصحابہ حضرت ابیّ بن کعب اور حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھانے کا حکم فرمایا تھا، جو ہم اس موضوع کے شروع میں [چوتھی حدیث کے تحت] ذکر کر آئے ہیں اور یہی تفصیل انھوں نے اپنی کتاب فصول فی الصیام والتراویح والزکوٰۃ میں ذکر کی ہے اور لکھا ہے:

(والسنة أن يُقتصر علیٰ احدیٰ عشر ركعة)۔

''سنت یہی ہے کہ گیارہ رکعتوں پر ہی اکتفاء کیا جائے''۔

پھر متعلقہ احادیث ذکر کر کے آگے جا کرِ گیارہ سے زیادہ رکعتیں پڑھنے میں کوئی حرج نہ ہونے کے تذکرہ کے بعد لکھا ہے:

"لكن المحافظة على العدد الذی جاء ت به السنة مع التأني والتطويل أفضل وأكمل"۔ (کتابِ مذکورہ ص:۱۶۔۱۷)

''لیکن حدیث میں وارد مسنون عدد (یعنی گیارہ رکعتوں) پر محافظت ہی افضل واکمل ہے اور ساتھ ہی اطمینان وسکون اور طویل قراءت وتلاوت کا بھی اہتمام ہونا چاہیئے''

ایک اشکال کا حل :

جن بعض احادیث میں تیرہ رکعات آئی ہیں اُن تیرہ رکعات سے مراد گیارہ تراویح اور وہ دو رکعتیں ہیں جو نبی ﷺ نے دو ایک مرتبہ نمازِ تہجد کے ساتھ وتروں کے بعد پڑھی تھیں تاکہ وتروں کے بعد بھی رات کو عبادت ونماز کا جواز مہیّا فرمائیں، یا پھر یہ نمازِ فجر کی پہلی دو سنتیں ہیں، جنہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ کی قیام اللیل کی رکعتیں سمجھا، جیسا کہ امام نووی، علاّمہ عینی، اور مبارکپوری نیز دوسرے شارحین نے وضاحت کی ہے۔

(دیکھیئے: شرح مسلم نووی ۶/۳-۱۶/۶-۲۱، عمدۃ القاری ۴/۷/۸/۱۷۴، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶/۱۱/۱۲۶، ۱۲۷، تحفۃ الاحوذی ۳/۵۲۲-۵۳۲)۔

مسئلہ تراویح اور سعودی فتویٰ کمیٹی :

سعودی عرب کی فعّال فتویٰ کمیٹی نے بھی نمازِ تراویح کی گیارہ رکعتوں کا ہی فتویٰ دیا ہے چنانچہ مجموع فتاویٰ اللجنہ الدائمہ میں لکھا ہے :

(صلوٰۃ التراویح سنةٌ ، سنّها رسول اللّٰه ﷺ و قد دلّتِ الاَدِلّةُ علیٰ انه ﷺ ما کان یزید في رمضان و لا فی غیرہ علیٰ احدی عشرۃ رکعة)۔

[دستخط شیخ عبداللہ بن قعود، شیخ عبداللہ بن غدیان، شیخ عبدالرزّاق عفیفی، علاّمہ ابن باز]۔

(مجموع فتاویٰ اللجنہ الدائمہ ۷/۱۹۴)۔

’’نمازِ تراویح رسول اللہ ﷺ کی سنّت ہے اور دلائل شاہد ہیں کہ نبی ﷺ رمضان اور کسی بھی دوسرے مہینے میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے ‘‘۔

مسئلہ تراویح اور آئمہ وعلماءِ حرمین شریفین :

حرمین شریفین کی آذان واقامت، نمازِ پنجگانہ، خطباتِ جمعہ وعیدین اور نمازِ تراویح کی جماعت سعودی ٹیلیویژن سے لائیو نشر ہوتی ہے اور لوگ اکہری اقامت بھی سنتے ہیں، نماز میں سینے پر یا کم از کم ناف سے

اوپر بندھے ہوئے ہاتھ دیکھتے ہیں۔آمین کی آواز سے حرمین شریفین کا گونج جانا بھی محسوس کرتے ہیں، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والی رفع یدین بھی دیکھتے ہیں۔آئمہ وعلماء حرمین شریفین کے خطاباتِ جمعہ وعیدین میں توحیدِ باری تعالیٰ کا غلغلہ بھی سنتے ہیں کہ اللہ ایک ہے۔اسکے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، اسکے سوا کسی کو نہ پکارنا، غیر اللہ سے استغاثہ واستعانت نہ کرنا، قبروں کو نہ چومنا، انکا طواف نہ کرنا، درباروں مزاروں پر چڑھاوے نہ چڑھانا، پیروں فقیروں کے نام سے کام کرنے والے بہروپیوں کے ہاتھ ایمان ومال نہ لُٹانا، نبی ﷺ کی سنّت کو حرزِ جان بنانا، بدعات سے اپنے ہاتھ نہ رنگنا اور اپنے اعمال برباد نہ کرنا، یہ سب باتیں سنتے ہیں، اور تین وتر پڑھنے کا طریقہ بھی دیکھتے ہیں۔لیکن ان سب باتوں کو ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے سے نکال دیتے ہیں۔سال بھر کے شب وروز کے اعمال و افعال میں سے اگر کوئی چیز دل ودماغ اور کانوں میں اٹک بلکہ چمٹ کر رہ جاتی ہے تو وہ صرف [بیس تراویح]۔

دیگر تمام مسائل سے چشم پوشی اور مسئلہ تراویح پر گرم جوشی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور اصل حقیقت کو واضح کرنے کی بجائے حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کیا جاتا ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے اور ہر شخص دیکھتا اور جانتا ہے کہ حرمین شریفین میں ہر امام صرف دس رکعتیں ہی پڑھاتا ہے، نہ کہ بیس جیسا کہ عموماً مغالطہ ہوتا اور دیا جاتا ہے۔پہلے ایک امام دس رکعتیں پڑھاتا ہے اور پھر دوسرا آتا اور وتروں سمیت تیرہ رکعتیں پڑھاتا ہے۔

ان دو مسجدوں [حرمین شریفین] کے، دوسری مساجد سے مختلف حالات کو پیشِ نظر رکھا جائے شرفِ زمان ومکان بھی ملحوظ رہے (زیارت وطواف اور ہزاروں لاکھوں گناہ اجر وثواب وغیرہ) اور پوری مملکتِ سعودی عرب اور پوری خلیج عربی کے ممالک کی دیگر لاکھوں مساجد میں گیارہ رکعتیں پڑھائی جانے پر بھی غور کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ افضل وسنّت صرف گیارہ رکعتیں ہی ہیں اور اگر کوئی عام نفلی نماز قرار دیتے ہوئے اس سے زیادہ بھی پڑھتا ہے تو اسکا فعل موجبِ نکیر نہیں ہے۔

ویسے بھی مصادرِ شریعت صرف قرآن وسنّت اور اجماعِ صحابہ ہیں، نہ کہ کسی ملک، علاقے یا کسی شہر کا کوئی عمل.

آلِ سعود کی حکومت سے پہلے حرمین شریفین میں چار مصلّے ہوا کرتے تھے۔ایک ہی نماز کی چار اذانیں چار ہی امام اور چار ہی جماعتیں۔اب اس کا کیا کریں گے؟

اور پھر یہ بھی کہہ ہی لینے دیجیئے کہ جن لوگوں کے نزدیک دیگر تمام مسائل واحکام [اصول وفروع] میں آئمہءِ حرمین ''وہابی'' اور ناقابلِ التفات ہیں، اُن کے یہاں تراویح کے مسئلہ میں وہ کیسے قابلِ التفات و عمل ہوگیئے ؟ لگتا ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے.

❶ اپنے آپ کو اصول وعقائد میں ماتریدی [اشعری]، فروع واحکام میں حنفی اور تصوّف وسلوک میں نقشبندی، سہروردی، چشتی اور قادری سلسلوں کے پابند ماننے والے ان ''وہابیوں'' کے پیروکار کیسے بن گئے؟ جن کے پیچھے پڑھی گئی نمازوں کو دہرانے کے فتوے بھی دیئے جا چکے ہیں۔

اور اگر واقعی ''پرانا غصّہ'' تھوک چکے ہیں تو پھر بسم اللہ کیجیئے جسطرح بیس تراویح میں آئمہ کعبہ وحرمین کو دلیل بنا رہے ہیں اسی طرح اصول وعقائد اور فروع واحکام میں بھی انہی کی طرح خالص کتاب اللہ اور سنّتِ صحیحہ پر عمل کا رویہ اپنا لیں۔

اسی میں ہم سب کی بھلائی ونجات ہے۔ واللہ الموفّق

آٹھ رکعاتِ تراویح کا ثبوت علماء وفقہاء احناف کی کتب سے :

❷ سابق میں ہم متعدد صحیح احادیث اور بعض آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم ذکر کر آئے ہیں جنکی رو سے تراویح کا عددِ مسنون آٹھ رکعتیں ہی ہے اور وتروں سمیت گیارہ رکعات۔اور اُنہی احادیث وآثار کے پیشِ نظر ہی اور تو اور، خود ہمارے علماء احناف نے بھی اعتراف کیا ہے کہ تراویح کا عددِ مسنون گیارہ [مع وتر] ہی ہے ❸۔

علاّمہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری میں نبی اکرم ﷺ کے باجماعت نمازِ تراویح پڑھانے سے تعلق رکھنے والی احادیث کی شرح میں لکھا ہے:

(فـان قـلـت : لـم يُبَيَّـنُ فی الروايات المذكورة عددُ الصلوٰةِ التی صلّها رسول اللّٰه ﷺ فی تلك الليالی ، قلت : رواه ابُن خزيمة و ابنُ حبان من حديث جابر رضی اللہ عنہ قال : صلّیٰ بنا رسول اللّٰه فی رمضان ثمانِ ركعات ثم اوتر)۔(عمدۃ القاری ۴/۷/۱۷۷)۔

''اگر آپ کہیں کہ اِن روایات میں اس بات کی وضاحت تو نہیں آئی کہ اُن راتوں میں نبی ﷺ نے باجماعت نمازِ تراویح کی کتنی رکعتیں پڑھائی تھیں؟ تو میں کہوں گا کہ صحیح ابنِ خزیمہ وابنِ حبان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں رمضان میں آٹھ رکعتیں پڑھائیں اور پھر وتر پڑھے''۔

یہی حدیث علاّمہ زیلعی حنفی نے نصب الرایۃ میں نقل کی ہے۔اور بیس رکعتوں والی حدیث کو ضعیف قرار دینے کے ساتھ ساتھ ہی انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث بھی ذکر کی ہے جسمیں سال بھر کی ''صلوٰۃ اللیل'' گیارہ رکعتیں ذکر ہوئی ہیں۔(نصب الرایۃ ۲/۱۵۲۔۱۵۳)۔

۱) امام ابوحنیفہ رحمہٗ اللہ کے شاگردِ خاص امام محمد نے اپنی کتاب مؤطا میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی گیارہ رکعتوں والی مذکورۃ الصدور حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

۴ **(بهٰذا ناخذ كلّه)**۔(موطا امام محمد ص:۹۳ وفی بعض الطبعات ص:۱۳۸۔۱۳۹)۔

''ہم اسی سب کو لیتے ہیں''۔

امام محمد نے گیارہ رکعتوں والی حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے:

بَابُ قِيَامِ شَهُرِ رمضان یعنی ماہِ رمضان میں قیام اللیل [تراویح] کا بیان۔(دیکھیئے: مؤطا امام محمد ص:۱۳۸)۔

۲) مولانا عبدالحی ءنے امام محمد کی اس تبویب پر لکھا ہے:

و يُسمّٰى التراويحُ ، قيامُ شهرِ رمضان یعنی تراویح کو ہی قیامِ ماہِ رمضان بھی کہا جاتا ہے۔

۵ (التعلیق الممجد ص:۱۳۸)۔

یہی بات نصب الرایۃ (۱۵۴/۲)، شرح مسلم (۲۵۹/۱)، تنویر الحوالک (۱۳۵/۱) اور التعلیق الصبیح (۱۰۴/۲) میں بھی کہی گئی ہے۔

اور یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ امام محمد کا یہ کہنا کہ ''ہم اِسی سب کو لیتے ہیں'' اور بیس رکعتوں کا ذکر تک بھی نہیں کیا، اس سے یہ بات بھی مترشّح ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہٗ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے، کیونکہ امام صاحب سے بیس رکعتِ تراویح صحیح سند قطعاً ثابت نہیں ہے۔

امام ابن الہمام نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں عددِ تراویح سے تعلق رکھنے والی احادیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے :

(فتحصّل من هذا كلّه انّ قيامَ رمضان سُنَّة احدىٰ عشرة ركعة بالوتر فى جماعة ، فَعَلَهٗ رسول الله ﷺ)۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ جلد اول ص: ۳۳۴)۔

''اس ساری تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ قیامِ رمضان کی مسنون تعداد گیارہ رکعتیں مع الوتر ہے باجماعت، نبی اکرم ﷺ نے ایسا ہی کیا''۔

۱) مولانا عبدالحیٔ لکھنوی موطا امام محمد کے حاشیہ التعلیق الممجد اور دیگر کتب میں لکھتے ہیں کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو وتروں کے سوا آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے ''۔ (التعلیق الممجد علی موطا محمد ص: ۹۳ وفی بعض الطبعات ص: ۱۳۸، عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ ۲۰۷/۱، وتحفۃ الاخیار ص: ۲۸ وحاشیہ ہدایہ ۱۵۱/۱)۔ ❻

اپنی کتاب ''تحفۃ الاخیار'' ص: ۲۸ میں انھوں نے لکھا ہے کہ اُن سے پوچھا گیا کہ جن راتوں میں نبی ﷺ نے جماعت کروائی تھی آپ ﷺ نے تو کتنی رکعتیں پڑھائی تھیں؟

اسکا جواب یہ ہے کہ اُنکی تعداد آٹھ رکعتیں تھی جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے پتہ چلتا ہے۔

❼ ۳) اور اپنی ایک تیسری کتاب عمدۃ الرعایہ میں بھی رکعتوں کی تعداد آٹھ اور تین وتر ذکر کی ہے اور ابن حبان کی حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ کا حوالہ دیا ہے۔ (عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ ۲۰۷/۱)۔

❽ ۴)اور ہدایہ پر اپنے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ۱۲۸۶ھ میں مجھ سے پوچھا گیا کہ جس نے آٹھ رکعاتِ تراویح پڑھیں جنکا تذکرہ صحیح ابن حبان میں ہے اور تین رکعاتِ وتر ادا کیں، تو کیا وہ تارکِ سنّت ہوگا؟ تو اُس کا میں نے جو جواب دیا اسکا خلاصہ یہ ہے کہ تمام علماءِ اصول صرف اُس عمل کو ''سنّت''
❾ کہتے ہیں جس پر نبی ﷺ نے ہمیشگی کی، سنّت کی تعریف کی رو سے نمازِ تراویح کی سنّت تعداد صرف وہی [۸ رکعتیں] ہوگی جسکا ذکر ہوا ہے۔ (حاشیہ ہدایہ ۱/۱۵۱)۔

شرح معانی الآثار طحاوی میں حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے حضرت ابیؓ بن کعب اور حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعتیں پڑھانے کا حکم دینے والی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مذکور ہے، اور یہ روایت مؤطا امام مالک [ص: ۴۰] میں بھی موجود ہے، اوراس سے ثابت ہوا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عہدِ نبوت میں آٹھ رکعتیں پڑھتے تھے اور خلیفہء ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سنّت بھی وتر سمیت گیارہ رکعتیں ہی ہے۔ (شرح معانی الآثار طحاوی)۔

ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ اسمیں شک نہیں کہ نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آٹھ رکعت نمازِ تراویح علاوہ وتر کے پڑھائی تھی۔ (المرقاۃ ۲/۱۷۵ وفی البعض ص: ۱۷۲)۔

مولانا محمد زکریا کاندھلوی مؤطا امام مالک کی شرح اُوجز المسالک میں لکھتے ہیں کہ یقیناً محدّثین کے
❿ اصول کے مطابق بیس رکعات تراویح کی تعداد نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

(اوجز المسالک ۱/۳۹۰)۔

۱) مولانا انور شاہ کشمیری نے تقریر ترمذی (العرف الشذی) میں لکھا ہے کہ اس بات کو تسلیم کیئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے آٹھ رکعاتِ تراویح پڑھی ہے۔ (العرف الشذی ص: ۳۰۹ وفی البعض ص: ۳۲۹)۔

ایک جگہ موصوف لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ آٹھ تراویح ہی ثابت ہیں اور بیس رکعتوں

والی حدیث ضعیف ہے اور اِسکے ضُعف پر تمام محدّثینِ کرام کا اتفاق ہے۔ (العرف الشذی ص: ۳۰۹
)۔

۲) اپنی کتاب ''فیض الباری'' میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ سے کسی مرفوع حدیث میں تیرہ رکعتوں سے
⑪ زیادہ نمازِ تراویح ثابت نہیں ہے۔ (فیض الباری ۱/۴۲۰)۔

۳) جبکہ اپنی کتاب ''کشف الستر'' میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ماہِ رمضان میں گیارہ رکعاتِ تراویح اور تین رکعات وتر کی جماعت کروائی تھی جیسا کہ ابن خزیمہ وابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں اور محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے۔ (کشف الستر ص: ۲۷)

۱) بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی اپنی کتاب لطائفِ قاسمیہ مکتوب سوئم میں لکھتے ہیں:
(یازدہ از فعل سرورِ عالم ﷺ اکداز بست)۔ (لطائفِ قاسمیہ، مکتوب سوئم)۔
⑫ ''نبی اکرم ﷺ سے جو گیارہ رکعتیں مع الوتر ثابت ہیں وہ بیس سے زیادہ معتبر ہیں''۔

۲۔۳) فتح سرّ المنّان فی تائید مذہب النعمان میں لکھتے ہیں کہ جیسا کہ آجکل بیس رکعاتِ تراویح کو سنّت بتایا جارہا ہے، یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے، آپ ﷺ کے زمانۂ مبارکہ میں آپ ﷺ کے حکم کے بموجب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر عمل رہا جیسا کہ بخاری شریف میں موجود ہے
کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں گیارہ رکعات [مع الوتر] سے زیادہ نمازِ تراویح نہیں پڑھی
⑬ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول ﷺ کے حال سے خوب واقف تھیں۔

(فتح سرّ المنّان فی تائید مذہب النعمان ص: ۳۲۷ نیز دیکھیئے: الحق الصریح للقاسمی)۔

⑭ علّامہ ابن نُجیم بحر الرائق میں لکھتے ہیں:

''ہمارے مشائخ کے اصول کے مطابق آٹھ رکعتِ تراویح سنّت ہے کیونکہ نبی ﷺ سے مع وتر
⑮ گیارہ رکعات تراویح ہی ثابت ہیں جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی

حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ
۱۶ نہیں پڑھا کرتے تھے‘‘۔

(بحر الرائق ۲/۲۷ اور ایک طبع میں ۲/۶۶، مسک الختام ۱/۲۸۸)۔

۱۷ اس سے آگے موصوف نے بقیہ بارہ رکعتوں کو صرف استحباب کا درجہ دیا ہے، سنّت نہیں مانا۔

علّامہ طحطاوی حاشیہ درالمختار میں لکھتے ہیں:

’’نبی ﷺ نے بیس تراویح نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ رکعتیں پڑھی ہیں‘‘۔ (حاشیہ درالمختار از علّامہ طحطاوی ۱/۲۹۵)

اور آگے امام طحطاوی نے فتح القدیر ابن الہمام اور بحر الرائق ابن نجیم ہی کی طرح ذکر کیا ہے کہ ہمارے مشائخ کے اصول کے مطابق سنّت صرف آٹھ تراویح ہے اور بقیہ بارہ رکعتیں محض مستحب۔

(حوالہ سابقہ، نیز دیکھیئے: مسک الختام ۱/۲۸۸)۔

۱۸ علّامہ احمد حموی حاشیۃ الاشباہ میں لکھتے ہیں:

’’بلاشبہ نبی ﷺ نے بیس رکعتیں نہیں بلکہ آٹھ رکعات تراویح پڑھی ہیں‘‘۔ (حاشیۃ الاشباہ ص:۹)۔

ابوالسعود کی شرح کنز الدقائق میں مرقوم ہے:

۱۹ ’’نبی ﷺ نے تراویح بیس رکعت نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ رکعتیں پڑھی ہیں‘‘۔ (شرح کنز ص:۲۶۵)۔

مولانا محمد احسن نانوتوی اپنے حاشیہ کنز الدقائق میں رقمطراز ہیں:

’’نبی ﷺ نے تراویح کی بیس رکعتیں نہیں بلکہ صرف آٹھ رکعات پڑھی ہیں‘‘۔

(حاشیہ کنز نانوتوی ص:۳۶)۔

علّامہ شامی ردّالمحتار المعروف فتاویٰ شامی (۱/۴۹۵) میں فرماتے ہیں:

۲۰ ’’دلیل کے لحاظ سے صرف آٹھ تراویح ہی سنّت ہے اور باقی رکعتیں صرف مستحب ہیں‘‘۔

۱) شیخ عبدالحق دہلوی اپنی معروف کتاب ماثبت بالسنّۃ میں لکھتے ہیں:

’’صحیح یہی ہے کہ نبی ﷺ نے گیارہ رکعت تراویح پڑھی ہیں جیسا کہ قیام اللیل میں آپ ﷺ کی

عادتِ مبارکہ تھی"۔(ما ثبت بالسنہ ص:۲۹۲)۔

۲)اور اپنی دوسری کتاب مدراج النّبوہ [فارسی] میں تحریر کرتے ہیں:

۲۱ "تحقیق اور صحیح یہی ہے کہ نبی ﷺ ماہِ رمضان میں گیارہ رکعت [تراویح] ہی پڑھا کرتے تھے جو کہ آپ ﷺ تہجد میں ہمیشہ پڑھا کرتے تھے جیسا کہ معروف ہے"۔(مدارج النبوہ ۱/۴۶۵)۔

نفحاتِ رشید میں لکھا ہے:

"نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے وتر سمیت گیارہ رکعات تراویح سے زیادہ نہیں پڑھیں، نہ رمضان میں اور نہ غیر رمضان میں"۔(بحوالہ مسک الختام ۱/۲۸۹)۔

۱)مولانا احمد علی سہارنپوری نے اپنے حاشیہ بخاری شریف (۱/۱۵۴) میں لکھا ہے:

"قیام رمضان [تراویح] گیارہ رکعت مع وتر سنّت ہے، جسے نبی ﷺ نے باجماعت ادا کیا ہے"۔

۲)اور ہدایہ کی شرح عین الہدایہ (ص:۵۶۲) میں موصوف لکھتے ہیں:

"صحیح حدیث کی رو سے وتر سمیت نمازِ تراویح کی صرف گیارہ رکعتیں ہی ثابت ہیں"۔

۳)اور یہی بات انھوں نے اپنی بعض دیگر کتب میں بھی کہی ہے۔(دیکھیئے: المفاتیح لاسرار التراویح ص:۹)۔

۱)ابوالحسن شرنبلالی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح (ص:۲۴۷) میں لکھتے ہیں:

"یہ بات ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے باجماعت گیارہ رکعتیں تراویح مع وتر پڑھائی تھیں"۔

۲)اور اپنے فتاویٰ شرنبلانی میں وہ لکھتے ہیں:

"نبی ﷺ نے صرف گیارہ رکعتیں مع وتر باجماعت پڑھائی ہیں اور بیس رکعتوں والی روایت ضعیف ہے"۔(فتاویٰ شرنبلالی)۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے موٴطا کی فارسی شرح مصفّٰی میں لکھا ہے:

"رسول اللہ ﷺ کے عمل سے [تراویح کی] گیارہ رکعتیں ایک ثابت شدہ حقیقت ہے"؟۔

(مصفّیٰ شرح مؤطا فارسی مع مسوّیٰ ۱/۱۷۷)۔

اِن کتب میں علماء وفقہاء احناف میں سے علاّمہ طحاوی و نانوتوی نے بیس رکعتوں کے سنتِ نبوی ﷺ ہونے کی تردید کی ہے۔

علاّمہ انور شاہ نے تقریر ترمذی (العرف الشذی) میں بیس رکعتوں والی روایت کے ضعیف ہونے پر اہلِ علم کا اجماع نقل کیا ہے ۔

علاّمہ ابن الہمام نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں، علاّمہ انور شاہ نے فیض الباری شرح بخاری میں احمد بن نجیم نے بحر الرائق میں، طحطاوی نے حاشیہ درالمختار میں اور مولانا عبدالحئیؒ نے حاشیہ ہدایہ میں آٹھ رکعاتِ تراویح کو ''سنّتِ رسول ﷺ'' اور بقیہ بارہ رکعتوں کو ''مستحب'' لکھا ہے۔

(مزید تفصیل کیلئے دیکھیئے : فتاوی علماء حدیث مولانا علی محمد سعیدی ۶/ ۲۰۸ ـ ۴۲۷، رکعاتِ تراویح مولانا کرم الدین سلفی، صلوٰۃ التراویح مولانا عبدالرحمٰن فاضل دیوبند، انارہ المصابیح لاداء صلوٰۃ التراویح علاّمہ حافظ محمد ابراھیم میر سیالکوٹی)

آٹھ اور بیس کے اختلاف سے نکلنے کا راستہ:

نمازِ تراویح کی رکعتیں آٹھ سے لیکر چالیس تک مختلف ادوار میں پڑھی گئی ہیں لیکن اُن میں سے دو عدد ہی زیادہ مشہور اور معمول بہٖ ہیں جو کہ آٹھ اور بیس ہیں.

اور آٹھ اور بیس کے اختلاف سے نکلنے کیلئے اگر چہ علاّمہ البانی رحمہٗ اللہ نے تو لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وتروں سمیت گیارہ رکعتوں پر اکتفاء کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے زیادہ رکعتیں جائز ہی نہیں ہیں۔ (نمازِ تراویح فصل ثالث ص:۱۳۹ اور ص:۳۴۳ عربی)

لیکن اکثر اہلِ علم نے اسکا یہ حل بھی پیش کیا ہے کہ تراویح کی اصل اور مسنون رکعتیں تو صرف آٹھ اور وتروں سمیت گیارہ ہی مانی جائیں، کیونکہ صحیح احادیث وآثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہی وارد ہے لیکن چونکہ لوگ رمضان کی مبارک رات یا رات کا اکثر حصہ عبادت میں گزارنا چاہتے تھے اور صرف آٹھ رکعتوں میں اتنا

وقت گزارنا ہو تو اتنی دیر کھڑے رہنا پڑیگا کہ ہر کس و ناکس کی برداشت سے باہر ہوگا۔ اسلیئے مختلف ادوار میں اوسط درجہ کی تلاوت کے ساتھ آٹھ رکعت تراویح پڑھ کر، رات کے باقی حصے میں مطلق نفل کی حیثیت سے مزید کچھ رکعتیں پڑھنی شروع کر دیں اور چونکہ نفلوں کیلیئے کوئی حد اور تعیین نہیں بلکہ جو جتنی رکعتیں چاہے پڑھ سکتا ہے، اسلیئے آٹھ رکعتوں پر جو اضافہ ہوا، اسمیں مختلف لوگوں کا معمول مختلف رہا ہے یعنی مجموعی طور پر کسی نے سولہ، کسی نے بیس، کسی نے چوبیس، کسی نے اٹھائیس، کسی نے چونتیس، کسی نے چھتیس، کسی نے اڑتیں اور کسی نے چالیس رکعتیں پڑھیں اور ان کے بعد تین یا سات وتر پڑھے تھے۔ عدد کی اس کمی بیشی کا انحصار محض پڑھنے والوں کی رغبت و شوق پر تھا۔

اور تراویح کے متعلق جن علماءِ احناف کے اقوال ہم نے پیش کیئے ہیں یا جن کی طرف انکی کتب کے حوالوں سے اشارہ کیا ہے، انھوں نے بھی اختلاف سے نکلنے کا یہی حل بتایا ہے کہ آٹھ رکعتیں تو سنّتِ رسول ﷺ ہیں اور باقی نفل و مستحب۔ لہٰذا جو شخص آٹھ تراویح پڑھتا ہے اور ان پر کوئی اضافہ نہیں کرتا تو اسکا یہ فعل بھی صحیح ہے، بلکہ سنّت و ثابت یہی عدد ہے۔ اور اگر کوئی شخص بیس تراویح پڑھتا ہے اور ان میں سے آٹھ کو سنّتِ ثابتہ اور بقیہ بارہ کو نفل کی حیثیت سے ادا کرتا ہے تو بھی اسمیں تشدّد کرنے کی ضرورت نہیں۔

اگر کوئی شخص جذبات کی رو میں بہہ کر، اپنے کچھ مخصوص مقاصد کے حصول کی خاطر خواہ مخواہ مسلمانوں کے جذبات سے کھیلتے ہوئے اُن میں سر پھٹول کروائے اور آٹھ سے زیادہ کو قطعاً ناجائز اور بدعت قرار دے یا صرف بیس کو ہی سنّتِ مؤکد ٹھہرائے اور اسمیں کمی بیشی کو مکروہ و بدعت، خلافِ اجماع اور شفاعتِ نبوی ﷺ سے محرومی کا سبب قرار دے تو یہ سنگین غلطی ہے اور ماضی میں ہمارے برِّصغیر کے بعض جوشیلے بھڑکیلے اور جذباتی قسم کے واعظین و مبلّغین سے ایسی غلطیاں سرزد ہوتی رہی ہیں حالانکہ ہمیں اِسکی بجائے کچھ وسعتِ ظرفی سے کام لینا چاہیئے اور ایسے مسائل میں شمشیرِ تفسیق و تکفیر نہیں چلانی چاہیئے۔

ایک لطیفہ :

ایسے خالص تحقیقی مسائل میں مناظرانہ ڈائیلاگ بولنے سے بھی گریز کرنا چاہیئے کیونکہ وہ لطیفے تو قرار دیئے جاسکتے ہیں مسئلہ نہیں اور دین ، مسائل چاہتا ہے لطائف نہیں۔

مثلاً بعض واعظین یہ کہتے ہیں کہ بیس رکعات میں گیارہ بھی آجاتی ہیں لہٰذا جو شخص بیس رکعتیں پڑھتا ہے اس نے گیارہ رکعات والی حدیث پر بھی عمل کرلیا۔ بریلوی جمعیت علماء پاکستان کے ایک سابق سربراہ [صاحبزادہ پیر فیض الحسن صاحب ۔آلومہار۔سیالکوٹ ۔ پاکستان] کے بارے میں معروف ہے کہ وہ تو کہا کرتے تھے کہ ہم بیس پڑھتے ہیں اور یہ ''اہلحدیث'' آٹھ پڑھتے ہیں ۔اگر قیامت کے دن اللہ نے آٹھ طلب کرلیں تو ہم عرض کریں گے کہ اے اللہ! ان میں سے ہماری آٹھ قبول کرلے اور بارہ ہمیں لوٹا دے اور اگر اللہ نے بیس طلب کرلیں تو یہ ''وہابی'' اُسوقت بارہ رکعتیں کہاں سے لائیں گے؟

یہ اور ایسی ہی بعض دیگر باتیں نہایئت مضحکہ خیز ہیں اور اس قابل بھی نہیں کہ انکی طرف التفات ہی کیا جائے۔ دین نہ ہوگیا ، بازیچۂ اطفال ہوگیا ۔ایسی باتوں کو خاطر میں نہیں لانا چاہیئے ،ہاں علم وتحقیق کا معاملہ ہوتو دوسری بات ہے۔

وسعتِ ظرفی :

یہاں ایک اور بات کی طرف اشارہ کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں [سعودی عرب اور خلیجی ممالک میں]بعض لوگ نمازِ تراویح تو امام کے ساتھ پڑھتے ہیں اور جب وتروں کی ادائیگی کا وقت آتا ہے تو الگ ہوجاتے ہیں اور یہ محض اس بناء پر کہ یہ امام صاحب ہمارے طریقہ [مسلک] کے مطابق وترنہیں پڑھاتے یعنی نمازِ وتر کی پہلی دو رکعتیں [شفع] الگ پڑھ کر سلام پھیر کر پھر تیسری رکعت [وتر] الگ پڑھتے ہیں۔

جبکہ تین رکعاتِ وتر کو ادا کرنے کے یہ دونوں طریقے ہی ثابت ہیں جن میں سے پہلا طریقہ تین رکعتوں

کو اکٹھے ہی ایک سلام سے ادا کرنے والا ہے اور یہ صرف ایک ہی تشہّد سے ہے، درمیانی قعدہ ثابت نہیں ہے۔ اور دوسرا طریقہ دو سلاموں والا ہے اور یہ طریقہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے، لہٰذا اگر کوئی امام صاحب دو سلاموں سے تین رکعتیں پڑھاتا ہے تو اسکے ساتھ بھی نمازِ وتر باجماعت ادا کرلینی چاہیئے۔

ویسے بھی جب یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ''چاروں امام برحق ہیں''۔

تو پھر کسی بھی امام کے پیچھے کوئی بھی نماز ادا کرنے سے گریز کیوں کیا جائے؟

خاص طور پر جبکہ یہ دو سلاموں والا طریقہ بھی حدیثِ رسول ﷺ سے ثابت ہے۔

اور وہ اگر اس بناء پر الگ ہوجاتے ہیں کہ پہلے بیس رکعتیں پوری کرلیں اور پھر وتر پڑھیں گے تو بھی اُنہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ وتر امام کے ساتھ پڑھ لینے چاہئیں کیونکہ اس طرح انھیں انکی جماعت اور اسکا ثواب مل جائیگا اور یہ ہیں بھی تراویح سے اہم۔ لہٰذا اگر مسنون، آٹھ رکعاتِ تراویح کے بعد بارہ رکعتیں اور بھی پڑھ کر ضرور بیس ہی کرنا چاہیں تو وہ الگ سے، رات کے کسی بھی حصہ میں، مسجد میں یا گھر جاکر پڑھی جاسکتی ہیں، حالانکہ صحیح تر بات صرف مسنون عدد پر اکتفاء کرنا ہی ہے جیسا کہ تفصیل گزری ہے۔

سعودی عرب اور خلیجی مما لک میں وزارتِ امورِ اسلامیہ کے تحت کام کرنے والے آئمہ مساجد کی غالب اکثریت نمازِ وتر دو سلاموں سے ہی ادا کرتی ہے، اگرچہ ان آئمہ میں سے کثیر پیش امام فقۂ حنفی کے پابند ہوتے ہیں، اسکے باوجود وہ بھی دو سلاموں والے طریقہ سے ہی تین رکعاتِ وتر پڑھاتے ہیں۔ اب یہ کہنا تو مناسب نہ ہوگا کہ اس معاملہ میں وہ اپنے عرب مقتدیوں سے ڈرتے یا انکی خواہش کے مطابق چلتے ہیں یہ خیال ''حسنِ ظن'' کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ کہنا ہی زیادہ مناسب ہے کہ وہ فقۂ حنفی کے پابند ہونے کے باوجود جو تین میں سے دو رکعتیں الگ اور تیسری الگ سلام سے پڑھتے ہیں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ طریقہ بھی یقیناً ثابت اور جائز و درست ہے، لہٰذا اُنہی کی طرح ہمیں بھی وسیع الظرف ہونے کا

مظاہرہ کرنا چاہیئے اور دو سلاموں کے ساتھ نمازِ وتر پڑھانے والے امام کی اقتداء میں باجماعت نمازِ وتر ادا کر لینی چاہیئے ۔خصوصاً جبکہ یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ یہ چاروں امام اور چاروں مذہب ہی برحق ہیں، اور جب یہ چاروں برحق ہیں تو ایسے موقع پر اُس امام کے پیچھے نمازِ وتر ادا نہ کرنے سے آپ نے عملاً اپنے اس دعوے کی تردید کر دی۔لہٰذا ؎

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

ویسے آج الحمدللہ علم کا دور دورہ ہے اور مسلمانوں میں کل تک کتنے ہی ایسے امور مروّج تھے جن کا دین سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا، اُن میں سے اکثر امور کو پڑھے لکھے لوگ ترک کر چکے ہیں جو انکی دینی بیداری کا ثبوت ہے، اور یہ ایک خوش آئند بات بھی ہے، کیونکہ محض باپ دادا سے سنے سنائے مسائل پر اندھا دھند عمل پیرا رہنا پڑھے لکھے لوگوں کا کام نہیں ہے، یہ تو خالص جہالت کے مترادف ہے ۔لہٰذا ہم سب کو چاہیئے کہ اپنے شب و روز میں سے تھوڑا بہت وقت قرآنِ کریم کے ترجمہ وتفسیر اور سنّتِ رسول ﷺ کو بیان کرنے والی کتبِ حدیث خصوصاً صحیحین یعنی بخاری ومسلم شریف کے مطالعہ کو بھی دیں جو کہ آج اردو اور انگلش بلکہ دنیا کی ہر زندہ زبان میں میسّر ہیں اور اگر زیادہ نہیں تو کم از کم قرآن کریم مترجم اور بلوغ المرام للحافظ ابن حجر مترجم [اردو ترجمہ وحاشیہ مولانا عبدالتوّاب محدّث ملتانی مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری] تو ضرور ہی پاس رکھنی چاہئیں ۔

قرآن وسنّت کے مطالعہ سے وسعتِ ظرفی بھی پیدا ہوگی اور اِن دونوں کی طرف رجوع ہی ، امّتِ اسلامیہ کے افراد میں اتحاد واتفاق کا بھی ضامن ہے۔ واللّٰہُ الموَفّق

نمازِ تراویح کے بعد دوبارہ جماعت :

سعودی عرب اور خلیجی ممالک میں بکثرت بعض لوگ نمازِ تراویح کے بعد پھر دوبارہ باجماعت نوافل (قیام

اللیل)ادا کرتے ہیں،انفرادی طور پرتو یہ فعل بڑا ہی کارِثواب ہے،البتہ بالالتزام وباجماعت اسکا ثبوت نہیں ملتا،اس سلسلہ میں ہفت روزہ ''اہلحدیث'' لاہور کی دوقسطوں میں مولانا عبیداللہ عفیف کا ایک مضمون بلکہ فتویٰ شائع ہواہے جسکی افادیت کے پیش نظر ہم اسے یہاں نقل کررہے ہیں :

سوال :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام محقّقین اور محدّثین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نمازِ تراویح کے بعد باجماعت نوافل پڑھانے شریعت محمدیہ ﷺ کی روسے جائز ہیں یا کہ نہیں؟ اگر کوئی عالمِ دین رمضان المبارک کی راتوں میں اہتمام کے ساتھ باجماعت نوافل پڑھاتا ہے تو کیا وہ نبی ﷺ کی سنّت کی خلاف ورزی کرتا ہے۔کیاوہ بدعت کرتا ہے یانہیں؟ شریعتِ محمدیہ کی رُوسے بدعتی کہلائے گا یانہیں؟

سائل:عبدالحفیظ.

الجواب بعوان الوھاب :

صورت مسئولہ میں واضح ہوکہ یہاں دوباتیں قابلِ لحاظ ہیں:

اوّل یہ کہ نفل باجماعت ادا کرنا، دوسرے یہ کہ نفل نماز کی جماعت کا اہتمام اوراس پر دوام اوراصرار یعنی خاص وقت یا معین مہینہ میں اس کا خصوصی اہتمام اوراس پر دوام واصرار۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلّق ہے تو یہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔جیسا کہ صحیح بخاری (ص: ۸۷) میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات اپنی خالہ محترمہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا جب تہجد کے لیئے رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تو ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔اوراسی طرح صحیح بخاری میں (ص:۵۸ باب صلوٰۃ النوافل جماعۃ وذکرہ انس وعائشۃ عن النبی ﷺ) میں جناب محمود بن ربیعہ ﷛ سے حضرت عتبان بن مالک ﷛ کا واقعہ منقول ہے۔

ان دونوں احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوا کہ نوافل کی جماعت بلاریب جائز ہے۔مگر یہ اتفاقی امر ہے جس کی صورت مثلاً یہ ہے کہ ایک آدمی نفل نماز پڑھ رہا ہے اتنے میں ایک دوسرا آدمی دیکھتا ہے کہ مولوی صاحب یا حافظ صاحب نفل نماز پڑھ رہے ہیں وہ بھی شامل ہوجائے تو یہ تو درست ہے۔

لیکن اس کا اہتمام کرنا ، اعلانات اور دوسری تشویقات اور ترغیبات کے ذریعہ مردوں اورعورتوں کو اکٹھا کر کے نوافل کو باجماعت بالدوام ادا کرنا نہ صرف جائز نہیں بلکہ بدعت ہے، اوراسی طرح وتروں کے بعد دورکعت نفل پڑھنے بھی ثابت ہیں۔صحیح مسلم کے نامورشارح امام نووی رحمہٗ اللہ نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے وتر نماز کے بعد یہ دورکعت نفل جواز ثابت کرنے کیلئے ادافرمائے تھے۔امام نووی رحمہٗ اللہ نے یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونفلوں پر ہمیشگی نہیں فرمائی یعنی یہ آپ ﷺ کی عادتِ مستمرہ نہ تھی۔(شرح صحیح مسلم ج:۱، وفقہ السنۃ ج:۱،ص:۱۶۴)۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اتفاقی طور پر نوافل باجماعت جائز ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وتر نماز کے بعد دورکعت نماز نفل پڑھنے بھی جائز ہیں مگر دوام کے ساتھ نہیں بلکہ کبھی کبھار اور بس۔

اب لیجئے مسئلہ کی دوسری شق یعنی اس مطلق جواز کے ہونے پر دوام اور ہمیشگی اور وہ بھی مہینہ اور وقت کی تعیین کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز نفل کی باجماعت تکرار، تو یہ بلا شبہ جائز نہیں بلکہ اس پر دوام اور اصرار شائبہ بدعت سے خالی نہیں۔ کیونکہ یہ تقیدات مع اہتمام اس مطلق جواز کو بدعت میں بدل دیتے ہیں۔جیسا کہ نمازِ چاشت بلاریب صحیح احادیث سے ثابت ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ اورحضرت ام ھانی رضی اللہ عنہما سے یہ نماز مروی ہے اور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس کی پابندی کی وصیت بھی فرمائی تھی۔(ملاحظہ ہو: صحیح بخاری ج:۱،ص:۱۵۷)مگر اس وصیت کے باوصف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز چاشت کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔حضرت مجاہد تابعی کا اظہار ہے کہ میں اور عُروہ بن زبیر دونوں مسجد میں داخل ہوئے :

(فان عبد الله بن عمر ﷺ جالس الیٰ حجرة عائشة و اذا اناس یصلون فی المسجد صلوٰتھم فقال: بدعة)۔(بخاری باب کم اعتمر النبی ﷺ ج:۱،ص:۲۳۸وصحیح مسلم مع نووی ج:۱،ص: ۴۰۹)۔

''مجاہد کہتے ہیں کہ جب ہم مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے تو جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے پاس تشریف فرما تھے۔اور اس وقت کچھ لوگ مسجد میں نمازِ چاشت پڑھ رہے تھے،ہم نے حضرت عبداللہ ﷺ سے ان کی اس نماز کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔جبکہ یہ نماز متعدد اسانید صحیحہ قویہ سے مروی ہے،جیسا کہ بخاری شریف کے حوالہ سے آپ پڑھ چکے ہیں۔بایں ہمہ حضرت عبداللہ ﷺ نے اس کو بدعت کیوں کہا ہے؟۔

بدعت اس لیئے کہا ہے کہ نبی ﷺ کے عہدِ سعادت معہد میں اس نماز کو باجماعت ادا کرنے کا دستور نہ تھا۔جب کہ یہ لوگ اس کو باجماعت ادا کر رہے تھے۔

چنانچہ امام نووی رحمۂ اللہ لکھتے ہیں:

(مراده ان اظهارها و الاجتماع لها بدعة لا ان صلوٰة الضحیٰ بدعة و قد سبقت المسئلة في كتاب الصلوٰة)۔(شرح صحیح مسلم ج:۱،ص:۴۰۹)۔

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد یہ تھی کہ نمازِ چاشت کو مسجد میں ظاہر کر کے پڑھنا اور اس کیلیئے جماعت اور اجتماع واہتمام کرنا بدعت ہے نہ یہ کہ نمازِ چاشت ہی سرے سے بدعت ہے''۔

امام ابوبکر محمد بن ولید الطرطوشی مالکی لکھتے ہیں:

(و محله عندی علیٰ احد وجهین ، انهم كانوا يصلونها جماعة و اما انهم يصلونها معاً افزازاً علیٰ هيئة النوافل في اعقاب الفرائض)۔(کتاب الحوادث والبدع ص:۴۰)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کی اس نماز کو یا تو اس لیئے بدعت کہا کہ وہ اسے باجماعت پڑھ رہے تھے یا اکیلے اکیلے پڑھ رہے تھے مگر اسطرح سے جیسے فرائض کے بعد ایک ہی وقت میں تمام نمازی

حضرات سنن رواتب پڑھا کرتے تھے۔

۲) سبحان اللہ، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ کا وظیفہ اپنے اندر بڑے فضائل رکھتا ہے اور مفسّرین نے اس کو باقیاتِ صالحات میں شمار کیا ہے۔ خصوصاً لا الٰہ الا اللہ کے وظیفہ کو احادیث میں افضل ذکر قرار دیا گیا ہے۔ جو اضافہ حسنات اور بلندئ درجات کا مضبوط ترین ذریعہ ہے۔ مگر اس کے باوصف جب اس وظیفہ کو خاص تقیدات اور تکلّفات و التزامات کے ساتھ پڑھا جائے گا تو یہی وظیفہ ہلاکت اور خسران کا ذریعہ قرار پائے گا جیسا کہ سنن دارمی میں بسندِ صحیح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ بڑا مشہور ہے کہ کچھ لوگ کوفہ شہر کی مسجد میں سحری کے وقت حلقہ بنا کر کنکریوں پر سبحان اللہ، اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ سو سو مرتبہ پڑھ رہے تھے۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا تھا:

(فقال : فعدّوا من سيئاتكم فانا ضامن ان لا يضيع من حسناتكم شئ ، ويحكم يا أمة محمد ﷺ ما اسرع هلكتكم، هؤلآء الصحابة بينكم متوافورن و هذا ثيابه ﷺ لم تبل و آنيته لم تكسر او مفتحي باب ضلالة) ۔ (مسند دارمی بسند جیّد) ۔ [1]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اپنی ان کنکریوں پر اپنے گناہوں کو شمار کرو۔ میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی۔ افسوس ہے تم پر اے امت محمد ﷺ! تم کتنی جلدی ہلاکت میں مبتلا ہو گئے ہو۔ ابھی تو تم میں صحابۂ رسول ﷺ بکثرت زندہ موجود ہیں۔ ابھی تو رسول اللہ ﷺ کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے، اور آپ ﷺ کے استعمال میں آنے والے برتن بھی نہیں ٹوٹے۔ کیا تم [اتنی جلدی میں] ایسا کر کے گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔ اور اس طرح اور بھی بہت سے واقعات منقول ہیں۔ مگر **لعل فيه كفاية لمن له ادنىٰ دراية** ۔

اس ساری گفتگو سے ثابت ہوا کہ عبادت اور اطاعت شرع میں جس طرح سے منقول ہوا اس کو اسی انداز میں ادا کرنا چاہیئے۔

یعنی اس کو اسکی اسی ہیئت پر قائم رکھنا چاہیئے جس ہیئت میں منقول ہو، اگر اس مطلق عبادت اور نیک عمل کو کسی خاص قید کے ساتھ مقید کیا جائے گا یا اس غیر مُؤ قّت کو مؤقّت بنایا جائیگا۔ یعنی کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص کیا جائے یا اس غیر معیّن کو معیّن کیا جائے گا تو وہ لامحالہ بدعت بن جائے گی۔ چنانچہ یہی وہ نکتہ ہے جس کے پیشِ نظر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ چاشت کی جماعت کو بدعت قرار دیا تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حلقہ باندھ کر اللہ اکبر، سبحان اللہ اور لا الٰہ الاّ اللہ کے ذکر کو بدعت و گمراہی اور اقرار ہلاکت قرار دیا ہے۔

چند تحقیقاتِ علمیہ :

حضرت امام ابو اسحاق شاطبی غرناطی بدعات کی تعیین اور ان کا ردّ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

(و منها التزام الكيفيات بهيئة الاجتماع علیٰ صوت واحد و اتخاذ يوم ولادة النبی صلی اللہ علیہ وسلم عيداً و ما اشبه ذالك و منها التزام العبادات المعينة في اوقات معينة لم يوجد لها ذالك التعيين في الشريعة كالتزام صوم يوم نصف من شعبان و قيام ليلته)۔

(کتاب الاعتصام للشاطبی ج:۱ص:۲۰)۔

''کہ من جملہ بدعات کے یہ بھی بدعت ہے کہ کسی نیک عمل کی ادائیگی کیلئے کیفیاتِ مخصوصہ اور ہیئات معینہ کا التزام کیا جائے۔ جیسا کہ ہیئتِ اجتماع کے ساتھ ایک آواز میں ذکر کرنا۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یومِ ولادت باسعادت کو عید منانا وغیرہ اور انہی بدعات میں سے ایک یہ بدعت بھی ہے کہ اوقاتِ خاص کے اندر ایسی عبادات معینہ کا التزام کر لینا جن کی ادائیگی کیلئے شریعت نے وہ اوقات معیّن نہیں کیئے۔ جیسے پندرہ شعبان کا روزہ اور اس کی پندرھویں شب کی عبادت کا التزام کرنا''۔

حضرت موصوف ایک دوسرے مقام پر مزید تفصیل کے ساتھ رقم طراز ہیں:

(اذا ندب الشرع مثلاً الیٰ ذكر الله فالتزام قوم الاجتماع عليه علیٰ لسان واحد و بصوت

او في وقت معلوم مخصوص عن سائر الاوقات لم يكن في ندب الشرع ما يدل علىٰ هذا التخصيص الملتزم بل فيه ما يدل علىٰ خلافه لان التزام الامور غير اللازمة شرعاً شأنها ان تفهم التشريع و خصوصاً مع من يقتدىٰ به في مجامع الناس كالمساجد فانها اذا ظهرت هذا الاظهار و وضعت في المساجد كسائر الشعائر التى وضعها رسول الله ﷺ في المساجد و ما اشبهها كالاذان و صلوٰة العيدين ...... فهم منها بلا شكٍ انها سنن اذ لم تفهم منها الفريضة...... فصارت من هذا الجهة بدعاً محدثةً بذالك)۔(الاعتصام ج:۱،ص:۲۰۰)۔

''جب شریعت نے کسی چیز کو مندوب قرار دیا ہو، جیسے مثلاً اللہ کا ذکر۔ اگر ایک قوم اس کا التزام کرے کہ ایک زبان ہوکر ایک ہی آواز سے ذکر کرنے لگ جاتی ہے یا دیگر اوقات کے علاوہ کسی معلوم اور مخصوص وقت کی پابندی کے ساتھ وہ ذکر کرتی ہے۔تو شریعت کی ترغیب اس معیّن تخصیص اور التزام پر ہرگز دلیل نہ ہوگی۔ بلکہ شریعت اس کے خلاف ہوگی۔ کیوں کہ جو امور شرعاً لازم نہیں ان کا التزام کرنا دراصل شریعت سازی کا حکم رکھتا ہے [جبکہ شریعت سازی کا حق غیر نبی کو قطعاً حاصل نہیں] بالخصوص جبکہ ان غیر لازم امور کا التزام مساجد کے نامی گرامی آئمہ کرام اپنی مساجد میں شروع کر دیں تو لامحالہ وہ غیر ثابت امور عوام الناس میں کم از کم سنّت کا درجہ ضرور حاصل کرلیں گے۔ لہٰذا اس جہت سے یہ امور بلا شبہ بدعت قرار پاتے ہیں''۔ ۲

امام ممدوح ایک تیسرے مقام پر لکھتے ہیں:

(فاذا اجتمع في النافلة ان تلتزم السنن الرواتب اما دائماً و اما في اوقات محدودة و علىٰ وجه محدود و اقيمت في الجماعة في المساجد التي تقام فيها الفرائض او المواضع التى تقام فيها السنن الرواتب فذالك ابتداع و الدليل عليه انه لم يأت عن رسول الله ﷺ و لا عن اصحابه و لا من التابعين لهم باحسان فعلىٰ هذا المجموع هكذا مجموعاً و ان اتىٰ

مطلقاً من غير تلك التقيدات فالتقيد في المطلقات التي لم يثبت بدليل الشرع تقييدها رأى في التشريع فكيف اذا عارضه الدليل وهو الامر باخفاء النوافل مثلاً)۔

(الاعتصام للشاطبی ج:۱،ص:۲۵۴)۔

''جب کوئی نفل نماز سننِ رواتب [سننِ مؤکدہ] کے التزام کے ساتھ ہمیشہ کیلئے یا محدود اوقات میں ان مساجد اور مقامات میں باجماعت پڑھی جائے گی۔ جہاں فرائض اور سننِ رواتب ادا کی جاتی ہوں تو یہ نماز بدعت ہوگی۔ کیونکہ ایسی نماز نہ تو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے نہ صحابہ کرام ؓ اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے منقول ہے۔ اور مطلق عبادات میں اپنی طرف سے قیود لگانا دراصل ازخود شریعت میں تصرّف کرنے کے مترادف ہے۔ یہ حکم تو اس صوت میں ہے جبکہ اس خاص نماز کے خلاف شرعی دلیل موجود نہ ہو لیکن یہاں تو اسطرح کی ازخود تیار کردہ نماز کے خلاف شرعی دلیل بھی موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نوافل کو چھپا کر پڑھنے کا حکم دے رکھا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں یہ نماز بالاولیٰ بدعت قرار پاتی ہے''۔

امام ابن دقیق العید رحمۂ اللہ تصریح فرماتے ہیں:

(ان هٰذا الخصوصيات بالوقت او بالحال و الهيئة و الفعل المخصوص يحتاج الىٰ دليل خاص يقتضى استحبابه بخصوصهٖ و هٰذا اقرب)۔ (اِحکام الأحکام لابن دقیق العید ج:۱،ص:۱۷۱)۔

''یعنی کسی عمل کو کسی خاص وقت یا خاص حالت اور ھیئۃ کی پابندی کے ساتھ کرنا یا کسی بھی مخصوص فعل کی ادائیگی ایسی شرعی دلیل کی محتاج ہے جو علیٰ الخصوص اس کے استحباب پر دلالت کرتی ہو [ورنہ وہ عمل شرعاً جائز نہ ہوگا بلکہ بدعت ہوگا] اور یہی حکم اقرب الیٰ الصواب ہے''۔

امام موصوف روافض کی عید غدیر کی تردید کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

(و قريب من ذالك ان تكون العبادة من جهة الشرع مرقبة علىٰ وجه مخصوص فيريد بعض الناس و ان يحدث فيها امر آخر لم يرد به الشرع زاعماً انه يدرج تحت عمومه فهٰذا لا يستقيم لان الغالب علىٰ العبادات التعبد و مأ خذها التوقيف)۔

(اِحکام الاحکام ج:۲،ص:۱۷۲)۔

''اسی کے قریب یہ بات بھی ہے کہ کوئی عبادت شریعت میں کسی خاص طریقہ پر ثابت ہو،اور کوئی شخص اس میں کوئی غیر شرعی چیز شامل کر کے تبدیل کر دے اور یہ خیال کرے کہ یہ چیز اس عبادت کے عموم میں داخل ہے تو اس کا یہ خیال درست اور صحیح ہرگز نہیں ہوگا، کیونکہ عبادات میں تعبّدی طریقہ غالب ہے اور اس کا ماخذ [رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے] اطلاع پائے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا''۔

۳)مجدِّ دوقت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۂ اللہ وضاحت فرماتے ہیں۔

(و منہا التشدد و حقیقتہ اختیارات عبادات شاقة لم یامر بھا الشارع کدوام الصیام و القیام و التبتل و ترك التزوج و ان یلتزم السنن و الآداب کالتزام الواجبات ...... فاذا کان ھذا المتعمق و المتشدد معلّم قوم و رئیسھم ظنوا ان ھذا امر الشرع و رضاہ و ھذا اداء رہبان الیہود و النصاریٰ)۔(حجۃ اللہ البالغۃ، باب احکام الدین من التحریف ج:۱،ص:۴۰)۔

''دین میں تحریف کے جہاں اور اسباب بھی ہیں وہاں ان میں سے ایک یہ سبب بھی ہے کہ دین میں تشدّ د اختیار کیا جائے۔اور تشدّ د کی حقیقت یہ ہے کہ ایسی مشکل عبادات کو اختیار کر لیا جائے ،جن کے متعلق شارع نے کوئی حکم نہیں دیا۔مثلاً کوئی شخص دوامی طور پر روزہ رکھے، قیام کرے،تخلیہ میں بیٹھا رہے اور نکاح کرنے سے گریز کرے۔اور مثلاً یہ کہ سنتوں اور مستحبات کا ایسا التزام کرے جیسا کہ واجبات کیلئے کیا جاتا ہے [تو اس کا ایسا کرنا رایبانِ یہود ونصاریٰ کی ادا یعنی تحریفِ دین کا دروازہ کھولنا ہے]۔

آگے فرمایا: جب کوئی متعمّق اور متشدّ د شخص خیر سے کسی قوم کا استاذ یا سردار بھی ہو تو پھر لامحالہ وہ قوم یہ خیال کر لیتی ہے کہ ان کے استاذ یا سردار کا یہ عمل شرع کا حکم اور اس کا پسندیدہ امر ہے۔اور یہی بیماری تھی یہودیوں اور نصاریٰ کے صوفیوں میں جس کا نتیجۂ بد یہ نکلا کہ شریعتِ موسوی وعیسوی تحریف کا ملغوبہ بن کر رہ گئی اور تورات وانجیل اپنے حقیقی وجود کو کھو بیٹھیں۔یہی وجہ ہے کہ قانونِ الٰہی نے انسانوں کو ان کی اپنی مرضی پر نہیں چھوڑا۔عبادات و معاملات بلکہ یہاں تک کہ حکومت اور سلطنت کے احکام میں بھی

پابند کر دیا ہے تا کہ وہ اپنی اہواء وخواہشات کے حصول میں دین کا حلیہ نہ بگاڑ بیٹھیں''۔

۴)علاّمہ ابن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ اس حقیقت کا یوں اظہار کرتے ہیں:

(فجاء ت الشرائع بحملهم علیٰ ذالك فی جمیع احوالهم من عبادة او معاملة حتیٰ في الملك الذی هو الطبیعي للاجتماع الانسانی فاجرته علیٰ منهاج الدین لیکون الکل محوطاً بنظر الشارع)۔(مقدمۃ ابن خلدون ص:۱۹۰ومنہاج الواضح ص:۱۲۱)۔

''شرائع اسلامیہ اسی لیئے تو آئی ہیں کہ لوگوں کو تمام احوال میں خواہ وہ عبادات ہوں یا معاملات حتیٰ کہ ملکی انتظام جو لوگوں کے اجتماع کا ایک طبعی امر ہے۔ دین پر ہی قائم رہنے کی تلقین کریں۔ تا کہ ان کے تمام معاملات شارع کی نگرانی میں تکمیل پائیں''۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، امام ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی، امام ابوبکر محمد بن ولید طرطوشی مالکی، امام ابن دقیق العید، امام شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی اور علاّمہ عبدالرحمٰن بن خلدون کی مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہوا کہ شریعت نے جن عبادات اور طاعات کو مطلق چھوڑا ہے ان میں اپنی طرف سے قیود لگانا یا ان کی کیفیت اور ہیئت کو بدل دینا یا ان کو اوقات معینہ کے ساتھ معین کر دینا گویا دین کو بدل دینا ہے، اور اسی کا نام تحریفِ دین ہے، جو کہ گمراہی کے ساتھ ساتھ بدترین بدعت بھی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ثابت شدہ عبادات اور طاعات میں اپنی طرف سے قیود عائد کرنے اور ان کی ہیئت کو تبدیل کرنے کو بدعت شمار کرتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ چاشت کی جماعت کو بدعت کہا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سبحان اللہ، اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کا مخصوص انداز میں وظیفہ پڑھنے والوں کو ڈانٹ پلاتے ہوئے ان کے اس مخصوص کیفیت والے وظیفہ کو گمراہی اور موجبِ ہلاکت قرار دیا تھا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ پڑھی ہوئی نماز کی باجماعت تکرار اور اس پر دوام اور اصرار اور پھر اس کا اہتمام درست نہیں۔ کہ یہ نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

ثابت ہے اور نہ یہ سبیل المؤمنین ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے۔ جہاں تک (**شَدّ مئزرہ و احییٰ لیلہ و ایقظ اھلہ**) یعنی نبی ﷺ کمر کس لیئے ،شب زندہ داری کرتے اور گھر والوں کو جگاتے تھے، پر عمل کا سوال ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کثرتِ رکعات کی بجائے قرآن پاک بکثرت پڑھا جائے یعنی قراءت زیادہ کی جائے۔ جیسا کہ حضرات صحابہ کرام ﷺ کا بیان ہے کہ تیسری رات نمازِ تراویح سے ہم اس وقت فارغ ہوئے کہ سحری فوت ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔

(ملاحظہ ہو: سنن ابی داؤد اور مشکوٰۃ کتاب الصیام۔ **حتیٰ خشینا الفلاح و معنیٰ الفلاح السحور**)۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

(ان اطالوا القیام و اقلّوا السجود فحسن و ان اکثروا السجود و اقلّوا القراءۃ و الاوّل احبّ الیّ)۔ (فتح الباری شرح صحیح البخاری ترتیب الشیخ ابن باز ج:۴،ص:۳۵۳)۔

"اگر لوگ رکعات کم پڑھیں اور قراءت لمبی کریں تو یہ اچھا ہے اور اگر رکعات بڑھا لیں اور قراءت کم کرلیں تو یہ بھی اچھا ہے لیکن پہلی صورت یعنی رکعات کم اور قرآن زیادہ پڑھا جائے تو یہ صورت مجھے زیادہ محبوب ہے۔

<u>فیصلہ :</u>

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں ان مولانا صاحب کا نمازِ تراویح کے بعد دوبارہ نوافل کی جماعت کرنا، اس کا اہتمام کرنا، اس کیلئے لوگوں کو تیار کرنا اور اس پر اصرار کرنا سراسر خلافِ سنّت ہے اور سبیل المؤمنین کے خلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ ،صحابہ کرام ﷺ، تابعین، تبع تابعین رحمہم اللہ اور فقہاء و محدّثین اور دوسرے آئمہ دین سے ایسا تکلّف اور اہتمام ہرگز ثابت نہیں۔ ان صاحب کا یہ عمل بدعت ہے۔ اور انہیں اس سے باز آجانا چاہیئے۔ **ھذا ما عندی و اللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب** ۔

(ہفت روزہ اہلحدیث لاہور جلد:۲۰ شمارہ:۲۰ بابت ۱۳ رشوال/۱۴۰۹ھ، ۱۹ رمئی/۱۹۸۹ء وشمارہ:۲۱ بابت ۲۰ رشوال/۱۴۰۹ھ، ۲۶ رمئی/۱۹۸۹ء فتویٰ از قلم شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ عفیف۔ لاہور)۔

مولانا عفیف کا یہ فتویٰ بڑے گرانقدر علمی و اصولی مباحث پر مشتمل ہے اور نمازِ تراویح کی دوبارہ جماعت کرانے والوں کیلئے اسمیں بصائر وعِبر کا بحرِ بیکراں کوزے میں بند ہے۔

واللہ الموفق .



تراجم وتصانیف محمد منیر قمر

نمبرشمار	نام کتاب	شائع کردہ	تاریخ طباعت
1	آئینہ نبوت (سیرت النبیؐ: ایک اچھوتے انداز میں)	بزمِ الہلال۔مکتبہ کتاب وسنت	طبع اول 1974ء طبع دوم 2000ء
2	رمضان المبارک روحانی تربیت کا مہینہ	بزمِ الہلال۔مکتبہ کتاب وسنت	طبع اول 1977ء طبع دوم 2000ء
3	کشفُ الشبہات (توحید)	الحاج علی محمد سعید الباقرین شارجہ	1400ھ 1981ء
4	مسنون ذکرِ الٰہی (مختصر)	الحاج عامر محمد سعید البارقرین شارجہ	1401ھ 1981ء
5	مناسک الحج والعمرہ	الحاج عامر محمد سعید البارقرین شارجہ	1981ء
6	درآمدہ گوشت کی شرعی حثیت	شیخ محمد صالح الکندی شارجہ	1981ء
7	خنزیر کی چربی پر مشتمل اشیاء (اردو)	صدیقی ٹرسٹ کراچی	1400ھ 1980ء
8	خنزیر کی چربی پر مشتمل اشیاء (اردو۔انگلش)	ابیرڈین یونیورسٹی (برطانیہ)	1981ء
	طبع سوم	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ.	2002ء
9	انسانی تاریخ کی خفیہ ترین تحریک	صدیقی ٹرسٹ ومکتبہ کتاب وسنت	1982ء۔2002ء
10	دعوت الی اللہ اور داعی کے اوصاف	الادارۃ الاسلامیہ، فیصل آباد	1402ھ 1982ء
11	وجوبِ عمل بالسنہ اور کفر منکر	الادارہ الاسلامیہ، فیصل آباد	1982ھ 1402ء
12	تین اہم اصولِ دین مع مختصر نماز	الادارہ الاسلامیہ، فیصل آباد	1983ء 1403ھ
13	تین اہم اصولِ دین	دارالافتاء والمکاتب التعاونیہ	2002ء تک آٹھ ایڈیشن

14	قبولیّتِ عمل کی شرائط (طبع چہارم)	مکتبہ کتاب وسنت وجامعہ سلفیہ بنارس	1991 ء -2001
15	مسنونِ ذکرِ الٰہی (مفصّل) سوم	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ سیالکوٹ	1981ء ۔ 2001ء
16	سیرتِ امام الانبیاء ﷺ	مکتبہ ابن تیمیہ ۔قطر	1992ء طبع اول
17	شراب اور دیگر منشّیات ۔طبع اول	مکتبہ کتاب وسنت، ریحان چیمہ	1993ء 1413ھ
18	سوئے حرم (حج وعمرہ اور قربانی)	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ سیالکوٹ	طبع اول 1989ء طبع دوم 1995ء طبع سوم 2002ء دہلی انڈیا.
19	فقہ الصلوٰۃ (جلد اول)	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ سیالکوٹ	1990ء طبع اول
20	فقہ الصلوٰۃ (جلد دوم)	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ سیالکوٹ	1999ء (طبع اول)
21	فقہ الصلوٰۃ (جلد سوم) زیرِ کتابت	نور اسلام اکیڈمی ۔لاہور	زیرِ ترتیب .
22	فقہ الصلوٰۃ (جلد چہارم) زیرِ ترتیب	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ	زیرِ ترتیب .
23	رمضان المبارک اور احکامِ روزہ	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ	زیرِ ترتیب .
24	احکامِ زکوٰۃ وصدقات	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ	زیرِ ترتیب .
25	جہادِ اسلامی کی حقیقت	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ	1421ھ 2000ء
26	سود ورشوت	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ	2001ء 1421ھ
27	زنا کاری وفحاشی	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ	2001ء 1421ھ
28	چند اختلافی مسائل میں راہِ اعتدال زیرِ ترتیب	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ	زیرِ ترتیب .
29	مقالاتِ قمر	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ	زیرِ ترتیب .
30	گلدستۂ نصیحت سے پچاس (50) پھول	الشیخ عبدالعزیز المقبل	1421ھ 2000ء
31	پچاس (50) سوال وفتاویٰ احکامِ حیض.	الشیخ محمد بن صالح العثیمین	مسودہ تیار برائے طباعت
32	محرّمات (حرام امور)	الشیخ محمد صالح المنجد، الخبر .	مسودّہ تیار برائے طباعت
33	ممنوعات (ناجائز امور)	الشیخ محمد صالح المنجد، الخبر .	مسودّہ تیار برائے طباعت
34	لواطت واغلام بازی	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ سیالکوٹ	1421ھ 2000ء

35	انسدادِزناولواطت کے لیےاسلام کی تدابیر	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ سیالکوٹ	1421ھ 2001ء
36	سورۃ فاتحہ،فضیلت،مقتدی کے لیئےحکم.	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ	زیرِطباعت
37	آمین۔معنیٰ ومفہوم مقتدی کے لیئےحکم	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ سیالکوٹ	2001ء1421ھ
38	رفع الیدین جانبین کے دلائل کاتحقیقی جائزہ	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ	زیرِ طباعت
39	درودشریف۔فضائل واحکام	نورِاسلام اکیڈمی لاہور	1421ھ2000ء
40	ظہورِامام مہدی طبع دوم	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ	2000ء۔ 2002ء
41	مسائلِ قربانی وعیدین	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ	2002ء
42	الامام العلاّ مہ ابنِ باز	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ	زیرکتابت
43	الامام المحدّ ث الالبانی	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ	زیرِترتیب
44	نمازپنجگانہ کی رکعتیں مع وتروتہجدوجمعہ	علی فوادپبلشرز،مکتبہ کتاب وسنت	2000ء۔ 2002ء
45	تمباکونوشی	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ سیالکوٹ	2002ء
46	دخولِ جنت کےتیس اسباب وذرائع	مکتبہ کتاب وسنت (طبع دوم).	2000ھ1421ء
47	امربالمعروف ونہی عن المنکر اورضرورتِ جہاد	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ سیالکوٹ	2001ء1421ھ
48	اسیرانِ جہاداورمسئلہ غلامی	مکتبہ کتاب وسنت (طبع دوم).	1421ھ۔2002ء
49	انسانی جان کی قیمت اورفلسفۂ جہاد	مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ سیالکوٹ	2001ء1421ھ
50	مسائل واحکامِ طہارت	مکتبہ کتاب وسنّت توحیدپبلیکیشنز بنگلور	مسودّہ تیاربرائے طباعت
51	مساجدومقابراورمقاماتِ نماز	مکتبہ کتاب وسنّت توحیدپبلیکیشنز بنگلور	مسودہ تیاربرائے طباعت
52	احکام وآدابِ مساجد	مکتبہ کتاب وسنّت توحیدپبلیکیشنز بنگلور	مسودہ تیاربرائے طباعت
53	نمازکیلیۓ مردوزن کالباس	مکتبہ کتاب وسنّت توحیدپبلیکیشنز بنگلور	مسودہ تیاربرائے طباعت
54	وجوبِ نقاب (چہرےکاپردہ)	مکتبہ کتاب وسنّت توحیدپبلیکیشنز بنگلور	مسودہ تیاربرائے طباعت
55	اوقاتِ نماز .	مکتبہ کتاب وسنّت توحیدپبلیکیشنز بنگلور	مسودہ تیاربرائے طباعت
56	مسائلِ آذان واقامت اورنمازِباجماعت	مکتبہ کتاب وسنّت توحیدپبلیکیشنز بنگلور	مسودہ تیاربرائے طباعت

57	مصنوعی اعضاء کی صورت میں غسل ووضوء	مکتبہ کتاب وسنّت توحید پبلیکیشنز بنگلور	مسودہ تیار برائے طباعت
58	نماز کے مفسدات ومکروہات ومباحات	مکتبہ کتاب وسنّت توحید پبلیکیشنز بنگلور	مسودہ تیار برائے طباعت
59	ٹوپی وپگڑی سے یا ننگے سر نماز؟	مکتبہ کتاب وسنّت توحید پبلیکیشنز بنگلور	مسودّہ تیار برائے طباعت
60	نماز میں عدمِ پابندی اور تارکِ نماز	مکتبہ کتاب وسنّت توحید پبلیکیشنز بنگلور	مسودّہ تیار برائے طباعت
61	غیر مسلموں سے تعلقات اور جھوٹے کھانے پانی کا حکم	مکتبہ کتاب وسنت وتوحید پبلیکیشنز بنگلور .	مسودّہ تیار برائے طباعت
62	نماز وروزہ کی نیّت	مکتبہ کتاب وسنّت	1423ھ۔ 2002ء
63	رُکوع سے سجدے میں جانے کی کیفیّت	مکتبہ کتاب وسنّت	1423ھ۔ 2002ء
64	مختصر مسائل واحکامِ طہارت ونماز	مکتبہ کتاب وسنّت توحید پبلیکیشنز بنگلور	1423ھ۔ 2002ء
65	زیارتِ مدینہ منورہ (آداب واحکام)	مکتبہ کتاب وسنّت توحید پبلیکیشنز بنگلور	1423ھ۔ 2002ء
66	تعویذ گنڈوں اور جنّات وجادو کا علاج	مکتبہ کتاب وسنّت توحید پبلیکیشنز بنگلور	زیرِ طباعت
67	مختصر مسائل حج وعمرہ اور قربانی وعیدین	مکتبہ کتاب وسنّت توحید پبلیکیشنز بنگلور	1423ھ۔ 2002ء
68	مختصر مسائل واحکام رمضان وروزہ	مکتبہ کتاب وسنّت توحید پبلیکیشنز بنگلور	1423ھ۔ 2002ء
69	گانا وموسیقی۔قرآن وسنّت کی نظر میں	مکتبہ کتاب وسنّت توحید پبلیکیشنز بنگلور	مسودہ تیار برائے طباعت
70)	جمعۃ المبارک : فضائل ومسائل		زیرِ طباعت
71)	آدابِ دعاء (مقامات،اوقات وغیرہ)		زیرِ طباعت
72)	حجِ مسنون (شارجہ ٹیلیویژن سے نشر شدہ پروگرام)		1423ھ۔ 2002ء
73	تفسیر سورۂ حجرات		مسودہ تیار برائے طباعت
74)	نمازِ پنجگانہ کے علاوہ چند نفلی نمازیں اور سجدے		مسودہ تیار برائے طباعت
75)	صحیح تاریخِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ اور عیدِ میلاد، یومِ وفات پر؟		1423ھ۔ 2002ء
76)	رکوع والے کی رکعت؟		1423ھ۔ 2002ء
77)	خطباتِ مسجدِ نبوی (مدینہ منوّرۃ)		مسودہ تیار برائے طباعت
78)	خطباتِ مسجدِ حرام (مکہ مکرمہ)		مسودہ تیار برائے طباعت

79)اور سگریٹ چُھوٹ گئی

80)شراب سے علاج؟

مسودہ تیار برائے طباعت

1423ھ۔ 2002ء



امام بخاری سے منسوب ایک بے اصل واقعہ

سوال: انوارخورشید دیوبندی نے حافظ ابن حجر (ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری ج ۲ ص ۲۵۳) کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہلحدیث ص ۶۸۳) کیا یہ بات صحیح ہے؟

[تنویر حسین شاہ ہزاروی، ۲۱ شعبان ۱۴۲۶ھ]

الجواب: حافظ ابن حجر کی بیان کردہ روایت کی سند کا ایک راوی مقسم یا مسبح یا نسج بن سعید یا سعد ہے۔ دیکھئے ہدی الساری (ص ۴۸۱) و تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۲) و تاریخ دمشق (ج ۵۵ ص ۵۸) بعض مخطوط میں فسیح یا مسیح لکھا ہوا ہے۔

ان ناموں کا کوئی راوی اسماء الرجال کی کتابوں میں نہیں ملا لہٰذا یہ مجہول ہے۔

خلاصہ: یہ واقعہ باطل و بے اصل ہے، امام بخاری رحمہ اللہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔ و ما علینا إلا البلاغ

(۲۱ شعبان ۱۴۲۶ھ)